إنّ الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء ۔ عسٰی أن یبعثک ربک مقامًا محمودًا

رجسٹرڈ ایل ۸۵۲

الفضل قادیان

ہفتہ میں دو بار

ایڈیٹر:- غلام نبی

The ALFAZL QADIAN.

قیمت سالانہ پیشگی ۶ ؎ ۔ قیمت فی پرچہ ۱ ؎

نمبر ۶۲	مورخہ ۷ فروری سنہ ۱۹۳۰ء	یوم جمعہ	مطابق ۷ رمضان سنہ ۱۳۴۸ھ	جلد ۱۷

مدینۃ المسیح

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ کی صحت اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے اچھی ہے ۔

جناب مفتی محمد صادق صاحب ۴ فروری کی صبح کراچی سے واپس تشریف لے آئے ۔ آپ کا وہاں انگریزی میں ایک لیکچر ہوا ۔

۲ فروری دیال گڑھ متصل قادیان میں غیر احمدیوں سے "ختم نبوت" کے مسئلہ پر ایک کامیاب مناظرہ ہوا ۔ غیر احمدی مناظر اور اس کے ہم خیال لوگ میدان مناظرہ سے اٹھ کر چلے گئے ۔ ہمارے مبلغین نے پرزور تقریریں کیں ۔ اور ایک شخص نے بیعت کی ۔

خاندان حضرت مسیح موعود میں

ایک مبارک تقریب

نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ لکھا جاتا ہے ۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے ۲ فروری بعد نماز عصر مسجد اقصےٰ میں جناب مرزا عزیز احمد صاحب ایم اے خلف خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کا نکاح سیدہ نصیرہ بیگم صاحبہ بنت جناب میر محمد اسحٰق صاحب سے پانچہزار روپیہ مہر پر پڑھا ۔ اور اس موقعہ پر نہایت لطیف خطبۂ نکاح ارشاد فرمایا ۔

حضور نے نکاح کے متعلق اسلامی ہدایات اور احکام کی حکمت بیان کرنے کے بعد دولھا اور دلھن کے خاندانوں کے شرف اور مجد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ۔ لڑکا اس خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس کے مرد کو خدا تعالےٰ نے آدم قرار دیکر فرمایا ۔ یاٰدم اسکن انت و زوجک الجنۃ اور لڑکی اس خاندان سے ہے جس کی خاتون کو خدا تعالےٰ نے اس آدم کے لئے زوج قرار دیا ۔ اس لئے ہم اسے نیک شگون سمجھتے ہوئے اللہ تعالےٰ سے اُمید رکھتے ہیں ۔ کہ اس نکاح کو بابرکت بنائے ۔ اور اس جوڑہ کو جنتی زندگی عطا کرے ۔

الفضل :- اس مبارک تقریب پر دونوں محترم خاندانوں کی خدمت میں جماعت کی طرف سے ہدیۂ مبارکباد پیش کرتا ہے ۔

اخبار احمدیہ مصر فلسطین و شام

سفرِ مصر

برادرم منیر الحصنی ۴ دسمبر کو حیفا پہونچے۔ دو دن وہاں قیام کیا۔ سفر سے پہلے سید رشدی آفندی البسطی سیکرٹری جماعت احمدیہ حیفا کے گھر احمدی دوست جمع ہوئے۔ میں نے انہیں مناسب ہدایات دیں۔ اور تبلیغ کی طرف توجہ دلائی۔ برادرم منیر آفندی نے بھی ان کے الوداعی کلمات کے جواب میں تقریر کی۔ سات دسمبر کی صبح کو ہم مصر روانہ ہوئے۔

بعض لیڈروں سے ملاقات

مصر میں بہت سے شامی موجود ہیں۔ ان کے ایک مشہور لیڈر ڈاکٹر عبد الرحمٰن شہبندر کی ملاقات کے لئے گئے۔ ان کے پاس اور بھی بہت سے شامی دوست موجود تھے۔ تقریباً تین گھنٹہ تک وفات مسیح۔ دجال قتل مرتد۔ طلاق۔ تعدد ازواج اور نزول مسیح وغیرہ مسائل پر گفتگو ہوئی۔ حاضرین نہایت محظوظ ہوئے۔ ڈاکٹر عبد الرحمٰن شہبندر نے ہمارے چلے آنے کے بعد برادرم منیر الحصنی کے بڑے بھائی سے کہا۔ آج بحث نہایت لذیذ تھی۔ حاضرین نے دوسروں کے پاس سلسلہ کا ذکر کیا۔

بعض دوستوں کا مناظرہ کے لئے اصرار

دو شخص حاضرین میں سے ہمارے مکان پر آئے۔ اور کہا کہ آپ کی باتیں نہایت معقول ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ کسی شیخ کے ساتھ آپ کی گفتگو سنیں۔ ہم نے کہا۔ مناظرہ سے یونہی شور پڑتا ہے۔ نتیجہ کچھ نہیں نکلتا۔ بہتر ہے کہ آپ کسی شیخ سے دلائل سن لیں۔ اور پھر ہم سے اُن کا جواب دریافت کریں۔ اور خود فیصلہ کریں۔ کہ کون حق پر ہے۔ لیکن انہوں نے بحث پر اصرار کرتے ہوئے کہا۔ ہم ایسا شیخ لائیں گے۔ جو وسیع الصدر ہو۔

جامعہ ازہر کے تعلیم یافتہ شیخ سے مناظرہ

مناظرہ ڈاکٹر عبد الرحمٰن شہبندر کے مکان پر ہونا قرار پایا۔ سب سے پہلے شیخ نے مجھ سے وفات مسیح کا ثبوت طلب کیا۔ میں نے آیت فلما توفیتنی اور اس کی تفسیر کے لئے بخاری کی حدیث فاقول کما قال العبد الصالح پیش کی۔ اور بتایا۔ اس آیت اور حدیث سے صاف واضح ہوتا ہے۔ کہ جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد ہوا۔ اسی طرح مسیحیوں نے بھی مسیح کو خدا ان کی موت کے بعد قرار دیا۔ اور ان کا قیامت کو یہ جواب دینا ان کے عدم رجوع کی بین دلیل ہے۔ ورنہ وہ مسیحیوں کے ارتداد سے لاعلمی کا اظہار نہ کرتے۔

اس دلیل کا وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ بلکہ آیت انی متوفیک ورافعک کی تین چار توجیہیں اور آیت ان من اھل الکتاب کو پیش کیا۔ جواباً میں نے تمام پیشکردہ توجیہوں کو باطل ثابت کر کے اصل تفسیر پیش کی۔ اسی طرح آیت ان من اھل الکتاب کی پیشکردہ تفسیر پر چھ اعتراضات کئے اور اصل تفسیر بتائی۔ وہ جواب سے بالکل عاجز آگیا۔ آخر کہنے لگا۔ اگر مان لیں۔ کہ مسیح وفات پاگیا۔ تو احادیث میں جو اس کے نزول کی خبر موجود ہے۔ اس کا کیا ہوگا۔ میں نے کہا۔ احادیث کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے۔ کہ اگر کوئی حدیث بظاہر قرآن مجید کے مخالف ہو۔ تو ہم اس کی تاویل کر کے قرآن مجید کے موافق کرنے کی کوشش کرینگے لیکن اگر کسی طرح بھی موافق نہ ہوسکے۔ تو ہم اس حدیث کو قبول نہ کریں گے۔ آپ بتائیں آپ کا عقیدہ کیا ہے اس نے کہا۔ حدیث قرآن مجید کو منسوخ کرسکتی ہے۔ تب میں نے مفصل اس عقیدہ کی دھجیاں اڑائیں۔ پھر احادیث نزول مسیح ابن مریم اور آیات قرآن مجید میں وجہ موافقت بیان کی۔ نتیجہ یہ تھا۔ کہ حاضرین میں سے بعض نے شیخ کے منہ پر کہدیا۔ آپ نہ تو اپنی کسی دلیل کو ثابت کرسکے۔ اور نہ ہی وفات مسیح پر پیشکردہ دلائل کو رد کرسکے۔ پہلے تو کہتا تھا۔ کہ میں ہر روز آپ سے گفتگو کے لئے وقت نکال سکتا ہوں۔ مگر اس کے بعد اس نے گفتگو کرنے کا نام تک نہیں لیا۔ ازہر میں بھی ان مناظروں کی خبر پہونچ گئی۔ بعض مشائخ نے تو یہاں تک کہدیا۔ کہ ان مسائل میں ان کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔

احمد زکی پاشا تیمور سے ملاقات

ایک روز ہم احمد زکی پاشا تیمور کی ملاقات کے لئے گئے۔ پہلے تو انہوں نے تاریخی بحث شروع کردی جب سلسلہ کے متعلق ذکر آیا۔ تو کہا۔ شام میں احمدیت زور پکڑ رہی ہے۔ میں نے اس کے متعلق بہت سنا ہے۔ اور اخباروں میں بھی پڑھا ہے۔ پھر انہوں نے بعض خلاف واقعہ افواہوں کا ذکر کیا۔ جن کی حقیقت بتائی گئی۔ پھر مسائل مختلفہ فیہا پر بحث ہوئی۔ اور بقیہ بحث دوسرے دن پر ملتوی کی گئی۔ اس دن انہوں نے ہمیں دعوت دی۔ اور چھ سات اور لوگوں کو بھی بلایا جن میں سے بعض ملحدین تھے۔ ایک رسالہ کا ایڈیٹر تھا جس میں الحاد کی طرف لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے وہی متعین ہوا۔ پہلے صدق مسیح موعودؑ پر دلیل پوچھی۔ میں نے قرآن مجید سے ایک دلیل عقلی صورت میں پیش کی۔ اور پھر بحث وجود الہ اور اثبات وحی پر ہوئی۔ اس پر ایسا رعب چھایا۔ کہ وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ اسی اثناء میں احمد زکی پاشا نے بحث کو دوسری طرف ٹال دیا۔ پھر نزول مسیح کی احادیث پر بحث ہوتی رہی۔ انتہائے گفتگو پر انہیں سلسلہ کی کتابیں مطالعہ کے لئے دی گئیں۔ انہوں نے خواہش کی۔ کہ ان سے پھر ملاقات کی جائے۔

کتاب "البرہان الصریح" کی قبولیت

"البرہان الصریح فی ابطال الوہیۃ المسیح" کو جنہوں نے پڑھا ہے۔ نہایت پسند کیا ہے۔ برادرم محمد طٰہٰ السکاف تحریر فرماتے ہیں۔ میں نے اس کتاب کے نسخے عدن۔ سنگاپور۔ بغداد۔ موصل۔ حلب۔ حماہ۔ بمبئی روانہ کئے ہیں۔ اور مصر میں رئیس الازہر اور احمد تیمور پاشا وغیرہ کو بھیجے ہیں۔ مسیحیوں میں بھی تقسیم کئے گئے ہیں۔ بعض نسخے فروخت بھی کئے ہیں۔ پھر لکھا ہے۔ کہ جسے ہم دیتے اسے کہہ دیتے تھے۔ کہ اگر پسند نہ آئے۔ تو اپنی قیمت لے لیں۔ اور کتاب واپس کردیں۔ مگر کسی نے کتاب واپس نہیں کی۔ ایک شیخ نے خطبہ جمعہ میں لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکایا۔ مجھے اور انہیں کفر کا فتوے دیا۔ اس پر لوگوں کو اس کتاب کے دیکھنے کا اور زیادہ شوق ہوا برادر محمد طٰہٰ نے پانچ سو نسخے اور طلب کئے ہیں۔ جو انہیں بھیجے گئے۔ نیز مسلمانوں کی ایک جماعت نے اشتہار لکھا جس میں مشائخ کو رد لکھنے کے لئے غیرت دلائی۔ اور مفتی اور قاضی اور سب مشائخ کو نام بنام بھیجا۔ مگر کسی نے بھی جواب دیا۔

الجمعیۃ المسیحیۃ الاسلامیہ

حیفا میں جب مشائخ سے مناظرات ہوئے۔ تو انہوں نے ہمیں مسیحی کہنا شروع کردیا۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی حکمت نے چاہا۔ کہ وہ اس جھوٹے الزام کا مزا چکھیں۔ آخری فتنہ میں جو مسلمانوں اور یہود کے درمیان ہوا۔ انہوں نے مسیحیوں سے مل کر جمعیت قائم کی۔ جس کا نام "الجمعیۃ المسیحیۃ الاسلامیہ" رکھا۔ جو شخص اس میں داخل ہو۔ اُسے قمیص یا کوٹ پر لٹکانے کے لئے ایک نشان دیا جاتا ہے۔ جس پر صلیب اور ہلال کی تصویر ہے۔ میں نے بعض کو ان میں سے کہا۔ کہ ہمیں تو تم مسیحی ہونے کا خلاف واقعہ طعن دیتے تھے۔ مگر اب تو تم نے خود مسیحی ہو کر دکھا دیا۔

حیفا میں تبلیغ

برادرم رشدی آفندی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جمعہ کی نماز میں سب دوست اکٹھے ہوتے۔ تبلیغ اور باقاعدہ اجتماعات کے لئے تاکید کی گئی۔ شیخ علی قزق اور ان کے بھائی تبلیغ میں کوشاں ہیں۔ اگرچہ شاذلیوں کی طرف سے ان کی مخالفت جاری ہے۔ مگر وہ اب اُن کی پرواہ نہیں کرتے۔ ان کے دو بیٹوں نے بیعت کی ہے اللہ تعالےٰ استقامت عطا فرمائے۔

آخر میں تمام احباب سے احمدیت کی ترقی کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ نیز برادرم منیر الحصنی کے لئے جو باوجود مریض ہونے کے میرے ساتھ تبلیغ میں ساعی ہیں۔ انہیں تبلیغ کا خوب جوش ہے۔ اللہ تعالےٰ انہیں صحت عطا فرمائے۔ اسی طرح برادرم شیخ طٰہٰ السکاف کا ایک لڑکا بیمار ہے۔ اس کی صحت کے لئے بھی دعا کی جائے۔

خاکسار

جلال الدین شمس احمدی از قاہرہ شارع الموسکی

الفضل
بسم اللہ الرحمن الرحیم
نمبر ۶۲ | قادیان دارالامان مورخہ ۷ فروری سنہ ۱۹۳۰ء | جلد ۱۷

مشن سکولوں اور کالجوں میں مسلم طلبہ کے لئے خطرہ

(از مولوی اللہ دتا صاحب مولوی فاضل قادیان)

پادری لوگ اپنی دسیسہ کاریوں اور عجیب وغریب چالوں سے خلقِ خدا کو برگشتہ کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ ان کے دجل و فریب اور ملمع سازی کے پیش نظر ہی بانیٔ اسلام نے ان کا نام "الدجّال" قرار دیا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس حقیقت کو آشکار فرمایا اوائل میں علماء نے حضرت اقدس کے اس نظریہ کی تغلیط کی۔ مگر واقعات نے انہیں مجبور کر دیا۔ کہ وہ اس حقیقت ثابتہ کو تسلیم کریں۔ چنانچہ اخبار "اہلحدیث" نے صاف لفظوں میں لکھا:۔

"مسلمانو! جزیرۂ عرب میں مشنریوں کا جانا یہ خاص علامت قرب قیامت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جزیرۂ عرب میں شیطان اس سے ناامید ہو چکا۔ کہ بجز اللہ سبحانہٗ کوئی دوسرا معبود پوجا جائے۔ لیکن آپس کی تحریش البتہ ہو گی۔ لیکن ساتھ اس کے یہ بھی فرمایا گیا۔ کہ قرب قیامت کے دجال بجز حرمین تمام جگہ عرب میں پہونچ جائے گا۔ پس اگر مشنریوں کا گذر جزیرہ عرب میں ہوا تو یقین جانو۔ کہ قیامت نہایت قریب ہے۔ اور بہت بڑا انقلاب ہونے والا ہے" (۸۔ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۲)

اس گروہ نے عیسائیت کی ترویج اور اسلام کی بیخکنی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اور لگا رہا ہے۔ پادری ہر رنگ میں اپنے مذہب کی اشاعت کا اہتمام کر رہے ہیں۔ مشن ہسپتال، مشن سکول اور کالج خصوصیت سے ان کے آلۂ کار ہیں۔ اور اس ہمرنگ زمین دام میں بھولے بھالے لوگوں کو پھنسا لینا چنداں دشوار نہیں ہوتا۔ ان صلیب برداروں کے بالمقابل ہندوستانی بالخصوص فرزندان توحید نہایت سہل انگاری برت رہے ہیں۔ جس کا ظاہری نتیجہ یہ ہے۔ کہ ہر سال ایک معتدبہ طبقہ عیسائیت کی حلقہ بگوشی اختیار کر رہا ہے ادنےٰ اقوام اور پسماندہ جماعتوں کے لئے زمین اور ملازمتوں کا لالچ نہایت کامیاب گر ہے۔ اور سنجیدہ مگر دینیات سے بے بہرہ گروہ کے لئے سکولوں اور کالجوں کی بہتات ہو رہی ہے۔ اور عیسائیت آہستہ آہستہ نئے تعلیم یافتہ لوگوں کی نظروں میں اسلام کو بھیانک صورت میں ثابت کرنے میں کامیاب ہو رہی ہے۔ آج کل کالجوں کے طلبہ جس حد تک اسلامی لٹریچر سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ سب پر ظاہر ہے۔ مگر اس زندگی میں مشن کالجوں کی طرف سے جن ترغیبات اور ترہیبات کے ذریعہ ان کو عیسائی بننے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے۔ کہ گذشتہ دسمبر سنہ ۲۹ء میں مشن کالج سیالکوٹ کی طرف سے طلبہ سے قریباً پچیس سوالات کے جوابات طلب کئے گئے۔ جن کی غرض و غایت صرف ایک تھی کہ تا طالب علموں کو عیسائی بننے کی پوری پوری تلقین کی جائے۔ مثلاً سوال کیا گیا۔ کہ اگر تم عیسائی ہو جاؤ۔ تو کیا تم کو اچھی ملازمت اور اچھی سوسائیٹی نہ ملے گی۔ تم نے عیسائیت کے متعلق اپنے باپ سے کیا سُنا ہے۔ تم اگر عیسائی ہو جاؤ۔ تو تمہارا والد اور دیگر رشتہ دار تم سے کیا سلوک کرینگے۔ تم کن باتوں میں عیسائیت کو اپنے مذہب سے اچھا سمجھتے ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام سوالات کی تہ میں ایک ہی غرض کارفرما نظر آتی ہے۔ کہ یا تو اس طرح طالب علم خود بخود عیسائی ہو جائے گا۔ ورنہ کم از کم اس کا میلان۔ اس کی خواہش ملازمت وغیرہ کا بخوبی علم ہو جائے گا۔ اور پھر اس کا شکار کرنا بالکل آسان ہو گا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ پرچہ میں لکھا گیا۔ کہ تم آزادی سے جواب دو۔ تمہارے جواب بالکل مخفی رکھے جائینگے۔ اور ہرگز کسی کو ان کا پتہ نہ لگے گا۔

ان تمام احتیاطوں سے مشن کالج کے پادریوں کا مقصد خود عیاں ہے۔ چنانچہ اس قسم کے پرچوں کے علم پر شہر سیالکوٹ میں شور پڑ گیا۔ اور حسن اتفاق سے مجھے بھی وہاں جانا پڑا۔ اور ان سوالات کے جوابات انجمن اسلامیہ کے زیر انتظام لیکچر کے ذریعہ دئے گئے۔ اگر یہ معاملہ اسی جگہ ختم ہو جاتا۔ تو شاید اسے مقامی معاملہ قرار دیا جا سکتا۔ مگر اب اس کے اثرات دیگر مقامات پر بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور عیسائیوں کی تازہ منظم کوشش اپنا رنگ لائے گی۔ اندریں حالات نہایت ضروری ہے۔ کہ مسلمان اپنے بچوں کی پوری پوری نگہداشت کریں۔ اور جہاں تک ممکن ہو۔ ان معصوموں کو مشن کالجوں کی مسموم فضا سے بچانے کی کوشش کریں۔ مشن کالج سیالکوٹ میں جو کچھ ظاہر ہوا۔ وہ تو صرف ایک معمولی سا نمونہ تھا۔ ورنہ اس پردہ میں جس رنگ میں مذہب سے بیزاری کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ وہ ایک طویل داستان ہے۔ بہرحال ہم مسلمانانِ پنجاب اور ہند کو بروقت انتباہ کرنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ دنیا کی خاطر اپنے دین کو کلیتہً تباہ نہ کریں۔ ارشاد باری ہے۔ "قوا انفسکم واھلیکم نارًا"

ہماری یہ مراد نہیں۔ کہ پادری اپنے مذہب کی تبلیغ نہ کریں بلکہ ہمارا صرف یہ مطلب ہے۔ کہ طالب علموں کو ناجائز دباؤ۔ رعب لالچ اور ترغیب سے ان کے مذہب سے منحرف کرنا مناسب نہیں۔ جیسا کہ مشن کالج سیالکوٹ کے کارپردازوں نے عملاً کیا ہے۔

اقلیتوں کا اتحاد

یہ ایک صاف بات ہے۔ کہ ہندوستان کی اقلیتیں اگر یہ تہیہ کر لیں کہ اکثریت کو کسی اقلیت کے حقوق نہ غصب کرنے دینگی۔ تو اکثریت کی مجال نہیں۔ کہ کسی وقت خود سری کر سکے۔ کیونکہ ہندوستان کی اقلیتیں معمولی نہیں۔ اور ان کی مجموعی طاقت یقیناً اکثریت سے بڑھ سکتی ہے۔ لیکن اس وقت تک اکثریت کے ہاتھوں کئی قسم کے نقصانات اٹھا کر بھی اقلیتوں کو یہ سمجھ نہ آئی۔ اب دہلی کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ ہندوستان کے آئندہ انتظام ملکی میں ہندوستان کی مختلف اقلیتوں کی سرگرمیوں کو متحد کرنے کے لئے ایک اہم تحریک شروع کی گئی ہے۔ یورپین۔ اینگلو انڈین۔ دیسی عیسائیوں۔ پارسیوں یہودیوں۔ جینیوں۔ پسماندہ اقوام اور مسلمانوں کے راہنماؤں کے نام اطلاعیں بھیجی گئی ہیں۔ کہ ماہ مارچ کے تیسرے ہفتہ دہلی میں جلسہ کریں۔

مسٹر فضل رحمت اللہ صاحب کے مکان پر پادری چیٹرجی۔ کرنل گڈنی کرنیل کرافورڈ۔ مسٹر فضل رحمت اللہ۔ مسٹر ایم۔ سی۔ راجہ وغیرہ کی ایک ابتدائی کانفرنس ہوئی جس میں کانگریس اور اکثریت کے رویہ کی مذمت کی گئی۔ مختلف اقلیتوں کے نقطہ ہائے خیالات پر بحث کی گئی۔ اور آخر کار فیصلہ ہوا۔ کہ اندرونی اختلافات دور کرنے کے لئے ایک بڑی کانفرنس منعقد کی جائے۔

یہ خیال بہت اچھا ہے۔ اور اگر اقلیتیں متحد ہو گئیں۔ اور انہیں ضرور متحد ہونا چاہیئے۔ اس کے سوا ان کی زندگی محال ہے۔ تو اکثریت کو یقیناً ان کے مطالبات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑیگا۔

کانگریس کی آزمائشی چال

سر میلکم ہیلی گورنر یو۔ پی نے اپنی ایک تازہ تقریر میں "کامل آزادی" "آئینی طریق سے" حاصل کرنے کا دعوے کرنے والوں کو پہلے ہی موقعہ پر

مجرموں اور احمقوں کی صف اول کے درمیان کھڑا دیکھنے کی توقع ظاہر کرتے ہوئے ایک پتے کی بات یہ بیان کی ہے۔ کہ

"کامل آزادی کی قرار داد اقلیتوں کو اس امر پر رضامند کر دینے کے لئے کہ وہ ان مشکلات کو بھول کر جو نہرو رپورٹ نے ان کے لئے پیدا کی تھیں۔ پھر کانگریس کے جال میں پھنس جائیں۔ ایک آسان گر معلوم کرنے کے واسطے محض ایک فریب کارانہ آزمائشی چال ہے"۔ (انقلاب یکم فروری)

اس کا بہت بڑا ثبوت یہ ہے۔ کہ اب گاندھی جی اور دوسرے کانگریسی لیڈر اقلیتوں سے ان کے حقوق کے متعلق کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کی بجائے صرف یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ اس بات کو کامل آزادی کے حاصل ہونے پر انحصار رکھو۔ اور اس وقت حقوق کے تصفیہ کا خیال بھی نہ کرتے ہوئے کانگریس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاؤ۔ شاید ہی کوئی بلحاظ عقل و تدبر اتنا فرومایہ ہو۔ جو کانگریس کے اس وعدہ پر اعتماد کر کے اس کے جال میں پھنس جائے۔ پھر جو لوگ اپنا مطلب اس طرح نکالنا چاہتے ہوں۔ ان کا احمقوں کی صف میں کھڑا ہونا تو ظاہر ہے۔ باقی یہ کہ وہ مجرموں کی صف میں بھی کھڑے ہوتے ہیں۔ یا نہیں۔ اس کا پتہ آئندہ کے واقعات سے لگ سکیگا۔

افسوسناک قوم فروشی

یوم آزادی کی تقریب پر ہندوؤں نے مسلمانان ڈھاکہ پر جو مظالم کئے۔ اور ستم توڑے ہیں۔ ان کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے، دو مسلمانوں کو قتل کرنے۔ کئی دوکانوں کے جلا دینے اور بہت سوں کو زخمی کر دینے کی خبریں شائع ہو چکی ہیں۔ ہندوؤں سے تو یہ توقع ہی فضول ہے۔ کہ وہ شریر اور مفسد ہندوؤں کے خلاف آواز اٹھائیں گے۔ اور ان کے مظالم کے متعلق اظہار نفرت کریں گے لیکن کس قدر شرم کی بات ہے۔ کہ وہ مسلمان جو ہندوؤں کے ہاتھ بک چکے۔ اور اپنی غیرت و حمیت بیچ چکے ہیں۔ وہ بھی ہر معاملہ کو ہندو نقطہ نگاہ سے دیکھنے اور دوسروں کو دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ "زمیندار" (۳۱۔ جنوری) نے ڈھاکہ کے فسادات کے متعلق بادل ناخواستہ جو چند سطور لکھی ہیں۔ ان میں ایک طرف تو کچھ "فساد ہو گیا" اور "اس طرح کے اکتے دکتے واقعات کا پیش آجانا بالکل معمولی ہے"۔ کہکر ہندوؤں کے ان مظالم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اور دوسری طرف "جلوس کسی مسجد کے سامنے سے نعرے لگاتا ہوا گذر رہا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا۔ اور تو تو۔ میں میں ہوئی" لکھ کر فساد کا موجب مسلمانوں کو ٹھیرایا ہے۔

ہم نہیں سمجھتے۔ ظالم اور جفاکار ہندوؤں کی حمایت میں کوئی متعصب سے متعصب ہندو اخبار بھی "زمیندار" سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہے۔ "زمیندار" کے نزدیک یہ بہت بڑی ملکی خدمت ہوگی لیکن در اصل یہ قوم فروشی ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے۔ کوئی قوم فروش کبھی کسی جگہ عزت کی نظروں سے نہیں دیکھا گیا۔

آریوں کی جنگ جوئی

آریہ سماج کی پیدائش تحریک وطنیت کے خرمن کے لئے ایک چنگاری ثابت ہوئی ہے۔ کیونکہ آریوں نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے سوامی کے طریق پر عمل کیا۔ اور تمام ہادیان مذاہب کی شان میں بیہودہ سرائی کر کے اقوام ہند میں باہمی سر پھٹول شروع کرا دی۔ ان حالات کو دیکھکر کہنا پڑتا ہے۔ کہ منافرت انگیزی اور فتنہ پردازی آریوں کی فطرت کا ایک جزو لاینفک بن گئی ہے۔ اور خود آریہ سماجی تسلیم کر رہے ہیں۔ کہ یہ ان کی فطرت کا جزو ہے۔ "آریہ گزٹ" (۱۸ جنوری) میں نہایت صفائی کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے:۔

"آریوں نے اپنی فطرت سے مجبور ہو کر سب طرف سے لڑائی ٹھانی ہوئی ہے"

جس ملک میں ایسے لوگ بستے ہوں۔ وہاں قیام امن میں جس قدر مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ وہ ظاہر ہیں۔

پوران اور سناتن دھرمی

اب تک تو آریہ سماجی ہی پورانوں اور ہندو دھرم کے پراچین لٹریچر کو خلاف عقل تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اب سناتن دھرمیوں کی بھی آنکھیں کھل رہی ہیں۔ اور وہ بھی انہیں خلاف عقل باتوں کا مجموعہ یقین کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ امرتسر کے ایک سناتن دھرمی پنڈت نے یہ تحریک کی ہے۔ کہ

"پریاگ کے کنبھ کے میلہ پر پنڈتوں کی ایک سمتی بنائی جائے جس کا کام ہو۔ کہ خلاف عقل اور خلاف سناتن دھرم جتنی باتیں پورانوں میں موجود ہیں۔ ان سب کو نکال دیا جائے" (آریہ گزٹ ۱۸ جنوری)

تحریک تو بہت اچھی اور بہت ضروری ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا "پنڈتوں کی سمتی" مذہب میں کاٹ چھانٹ کر کے اسے اس قابل بنا دینے میں کامیاب ہو سکے گی۔ کہ جو لوگوں کے قلوب میں اطمینان پیدا کر سکے۔ پھر اس سمتی کا تجویز کردہ مذہب انسانوں کا بنایا ہوا ہوگا۔ نہ کہ ایشور کا۔ ایشوری مذہب کے لئے ضروری ہے، کہ ایشور خود اس کی حفاظت کا انتظام کرے۔ اور ایسا مذہب سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں۔ کسی مذہب میں کوئی ایسا انسان آج تک کھڑا نہیں ہوا۔ جس کا یہ دعوےٰ ہو۔ کہ خدا نے اسے اس مذہب کی ترقی اور حفاظت کے لئے بھیجا ہے۔ یہ شرف صرف اسلام کو حاصل ہے۔

سکھوں کے گوردوارہ پر ہندوؤں کا قبضہ

اخبار "شیر پنجاب" سکھوں کے خلاف ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"پشاور میں عرصہ سے کچھ سناتنیوں نے ایک گوردوارہ کو مندر میں تبدیل کر دیا ہے۔ گورو گرنتھ صاحب گوردوارہ سے اٹھا کر وہاں مورتیاں استھاپن کر دی گئی ہیں۔ جواب اب تک یہی دیا جاتا ہے۔ کہ سیجارٹی محلہ میں ہندوؤں کی ہے۔ جو گوردوارہ نہیں چاہتے۔ بلکہ اسے مندر بنانا چاہتے ہیں" (۱۹۔ جنوری)

دوسروں کے معابد پر قبضہ جمانے کے لئے اگر ہندوؤں کی طرف سے یہی اصول برتا گیا۔ جو پشاور میں پیش کیا جا رہا ہے کہ محلہ میں میجارٹی ہندوؤں کی ہے۔ تو سمجھ لینا چاہیئے۔ ہندوستان میں کسی بھی غیر ہندو کا معبد محفوظ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ہندوستان میں میجارٹی ہندوؤں کی ہے۔

گائے کی قربانی اور ہندو

اسمبلی میں گائے کی حفاظت کے لئے جو مسودہ پیش کیا گیا تھا۔ اس میں اس قدر استثنا رکھی گئی تھی۔ کہ مذہبی رسوم کی ادائیگی ممنوع نہ ہوگی۔ اور اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے ڈاکٹر مونجے جیسے متعصب ہندو نے بھی یہ کہا۔ کہ

"مذہبی ضروریات کے لئے سینکڑوں گائیں قربان کی جائیں۔ تو مجھے پرواہ نہیں" (پرکاش ۲۔ فروری)

لیکن یہ محض ایک چال تھی۔ جو اس لئے چلی گئی۔ کہ مسلمان اس سے متاثر ہو کر اس مسودہ کی مخالفت نہ کریں۔ ورنہ ہندوؤں کے اس وقت تک کے طرز عمل سے تو یہ ظاہر ہے۔ کہ سارا سال خواہ ہزاروں اور لاکھوں گائیں ذبح ہوتی رہیں۔ انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی لیکن عید اضحیٰ کے موقعہ پر جب مسلمان گائے کی قربانی دیں۔ تو ہندوؤں کی ساری کی ساری گئو بھگتی امنڈ آتی ہے۔ اور پھر اس کی رو میں وہ اس طرح بہ جاتے ہیں۔ کہ درندگی اور وحشت بھی ان سے پناہ مانگتی ہے۔ جسے کچھ شک ہو۔ وہ کٹارپور وغیرہ کے واقعات یاد کر لے۔

پس جب ڈاکٹر مونجے کے بھائی بند قربانی گائے کے وقت ہی سب سے زیادہ شور یدہ سری دکھاتے اور مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ تو کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ مونجے صاحب نے اسمبلی میں جو کچھ کہا۔ وہ سچے دل سے کہا۔ اور مسلمانوں کو محض دھوکہ دینے کیلئے نہ کہا۔ اچھا ہوا۔ کہ اسمبلی نے مسودہ کو پہلی منزل میں ہی مسترد کر کے ایک بہت بڑے فتنہ کا سد باب کر دیا۔ ورنہ نامعلوم اسے پاس کرانے کے لئے مونجے وغیرہ اور کیا کیا چالیں چلتے۔

اشارات

ایک لدہانوی مولوی جو ہر بات میں ٹانگ اڑاتا اور بڑے بڑے دعوے کرنا تو جانتا ہے۔ لیکن کسی بات پر قائم رہنا اور کسی دعویٰ کو پورا کرنا اس کے لئے اتنا ہی محال ہے۔ جتنا پھٹے ہوئے بوکا میں پانی کا ٹھہرنا۔ اس نے پچھلے دنوں "زمیندار" (۴۔ نومبر ۱۹۲۹ء) میں اعلان کرایا تھا۔

"اگر اس علاقہ کے قادیانی اس امر کا اعتراف کریں۔ کہ میاں بشیر ان کی راہنمائی کے قطعاً نااہل ثابت ہوئے ہیں۔ اور ان کی بیعت سے منہ موڑ کر توبہ کریں۔ تو میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں۔ کہ مسمار شدہ بوچڑ خانہ اپنی پہلی جگہ پر جلد دوبارہ تعمیر کرا دیا جائے"

ہمیں نہ صرف بارہا کے تجربہ کی بناء پر یہ معلوم تھا۔ کہ اس شخص کے منہ سے جو آواز نکلے۔ وہ گوز شتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی بلکہ ہم خدا کے فضل کے ماتحت چونکہ اپنی ہمت اور کوشش سے مذبح قائم کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ جو انشاء اللہ قائم ہو کر رہے گا۔ اس لئے ہم نے اس کی بے ہودہ سرائی کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کی۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اس کی اوقات بتانے اور اسے ذلیل کرنے کا سامان تھوڑے ہی ایام میں مہیا کر دیا۔

صرف مونہہ کی باتوں سے بڑا بننے اور اپنا رعب قائم کرنے کی خواہش نے کسی جلسہ میں اس کے مونہہ سے یہ نکلوا دیا۔ کہ اگر ظفروال میں ہمیں ایک ایک تقریر کرنے کا موقعہ ملے۔ تو اذان کے متعلق تمام رکیں دور ہو جائیں۔ وہ لوگ جو سر پر کفن باندھ کر ظفروال میں اذان دینے کی تیاریاں کر رہے تھے ان کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔ کہ "مولانا حبیب الرحمٰن اور سید عطاء اللہ شاہ" ایک ایک تقریر کر کے اذان پر سے تمام بندشیں دور کر دیں۔ اور یہ "پرامن جہاد" نہایت کامیابی کے ساتھ بسہولت ختم ہو جائے۔ انہوں نے جھٹ ان کے نام "مکتوب مفتوح" لکھ مارا۔ اور "انقلاب" نے صفحہ کے وسط میں "ظفروال میں تقریر کرنے کی دعوت" دیتے ہوئے نمایاں طور پر اسے شائع کر دیا۔ اس میں "معتمد خاص اذان کمیٹی امرتسر" نے لکھا۔

"میں نے "زمیندار" اور "انصاف" میں دیکھا ہے۔ آپ نے ایک پبلک جلسے میں اعلان فرمایا ہے۔ کہ اگر آپ صاحبان کو ظفروال (ضلع گورداسپور) میں ایک ایک تقریر کا موقعہ ملے تو اذان پر تمام بندشیں دور ہو جائیں۔" میں عاجزانہ درخواست کرتا ہوں۔ کہ آپ جلد سے جلد ظفروال تشریف لے جائیں۔ آپ کے سفر و قیام کا بندوبست یہ کمیٹی کرے گی۔ آپ صرف مطلع فرمائیں۔ کہ کس دن اور کس وقت آپ وہاں جانے کے لئے تیار ہیں"۔

اس کے جواب میں بخاری صاحب کو تو فوراً بخار ہی ہو گیا۔ اور ایک "عظیم الشان جلسہ عام" میں اس نے یہ کہکر اپنی جان چھڑائی کہ "ظفروال کے قضیہ اذان کے سلسلہ میں آج اخباروں میں مجھ سے بھی اس کے متعلق سوال کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ جو مسلمان اذان نہیں دے سکتے۔ ہمیں ایسے مسلمانوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارا فرض نہیں۔ کہ وہاں جائیں۔ یہ ظفروال کے مسلمانوں کا فرض ہے۔ کہ اذان دیں" ("زمیندار" ۲۳ ۔جنوری)

بیشہ حریت کے اس شیر مرد کی گرج آپ نے سن لی۔ اس نے عام فتوےٰ دے دیا ہے۔ کہ جہاں جہاں مسلمان غیر مسلموں کے ہاتھوں ستائے اور دکھ دئے جا رہے ہیں۔ اور جہاں جہاں ان کے مذہبی حقوق میں دست اندازی کی جا رہی ہے۔ وہاں کے مسلمانوں کی بخاری اور اس کی قماش کے لوگوں کو ضرورت نہیں۔ وہ مٹیں یا رہیں۔ جئیں یا مریں۔ "بخاریوں" "آقاؤں" اور "رفیقوں" کا یہ فرض نہیں۔ کہ وہاں جائیں۔

مٹھی بھر سکھوں کے مقابلہ میں یہ ان لوگوں کی حالت ہے۔ جو سلطنت برطانیہ سے ہندوستان آزاد کرانے کا تہیہ کر کے کھڑے ہوئے ہیں۔ اور جن کا دعوےٰ ہے۔ کہ "مکمل آزادی" سے کم کسی چیز کی طرف وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے۔

اب حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی سنئے۔ اول تو وہ "مکتوب مفتوح" پڑھتے ہی نامہ نگاروں کے سر ہو گیا۔ کہ وہ اس کی تقریریں اکثر غلط شائع کرتے رہتے ہیں۔ پھر کہنے لگا۔ "میں نے تو یہ کہا تھا کہ "کیا لاہور کے مسلمان ظفروال میں اذان دلوانے سے پہلے مجھکو اور رفیق عطاء اللہ کو اس مسجد (وزیر خاں) میں آزادی کے ساتھ قرآن و حدیث کا وعظ کرنے کی اجازت دینگے"

گویا ظفروال کے قضیہ سے وہ اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا تھا۔ نہ کہ وہاں اذان پر سے بندشیں ہٹانے کا دعوےٰ کر رہا تھا۔

اس کے ساتھ اس نے یہ بھی اضافہ کیا:-

"میں نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ اگر سکھ خدا کے نام کو بلند کرنے سے روکتے ہیں۔ تو وہ بھی اسی طرح مٹ جائیں گے۔ جس طرح اور قومیں نیست و نابود ہو گئیں۔ جنہوں نے خدا کے نام کو پست کرنے کی سعی ناکام کی"

مطلب یہ کہ وہ خود تو خدا کا نام بلند کرنے کے لئے کچھ کرنے کو تیار نہیں۔ ہندوستان کو آزاد کرانے کا کام چھوڑ کر کسی دوسری طرف کس طرح توجہ کی جا سکتی ہے۔ ہاں اگر سکھ خدا کے نام کو بلند کرنے سے روکتے ہیں (گویا ظفروال کے متعلق جتنا جوش اور اضطراب مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اور اذان کی بندش کے متعلق جو واقعات شائع ہو رہے ہیں۔ وہ قطعاً بے بنیاد ہیں۔ اور لدہانوی مولوی کو ان کے درست ہونے میں شک ہے۔ اسی لئے کہتا ہے۔ اگر سکھ خدا کا نام بلند کرنے سے روکتے ہیں) تو خود بخود مٹ جائیں گے۔ مسلمان کیوں شور مچا رہے اور جتھے تیار کر رہے ہیں۔ انہیں آرام اپنے گھروں میں بیٹھنا اور اس وقت کا انتظار کرنا چاہیئے۔ جب سکھ مٹ جائیں گے۔ اور کسی جگہ اذان پر بندشیں عائد نہ کر سکیں گے۔

لدہانوی صاحب نے مسلمانوں کو اس راز سربستہ سے آگاہ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ بلکہ بڑی فراخ حوصلگی سے اپنا سینہ کھولکر رکھ دیا ہے۔ آگے مسلمانوں کی قسمت ہے۔ کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں یا نہ اٹھائیں۔ وہ چاہیں۔ تو اطمینان اور تسلی کے ساتھ اس وقت تک انتظار کریں۔ جب سکھ ہٹ جائیں گے۔ اور چاہیں۔ تو جلد بازی سے کام لے کر ظفروال کی طرف چل پڑیں۔ اور پھر وہاں جو گذرے۔ اسے برداشت کریں۔

آخر میں لدہانوی مولوی نے یہ بھی کہا:-

"میں اور عطاء اللہ اسلام کے لئے تین تین دفعہ قید کاٹ چکے ہیں۔ اب اگر علامہ اقبال اور ان کے رفقا ظفروال اور دھرم بھکشو کی کتاب کے سلسلہ میں صرف دو دو دن کی قید بھی کاٹ آئیں۔ تو ہم بحیثیت رضاکاران کے بعد ایک دفعہ پھر سزا کاٹنے کے لئے تیار ہو جائیں گے"

("زمیندار" ۳۱ ۔جنوری)

کوئی پوچھے۔ جب "تین تین دفعہ قید" کاٹی تھی۔ تو کیا علامہ اقبال پر احسان کیا تھا۔ اگر نہیں۔ تو اب چوتھی بار ان کے ساتھ شرط باندھنے کی کیا وجہ۔ پھر کیا اسلام کے لئے "تین بار" ہی قید کاٹنا فرض ہے اس کے بعد یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور تم لوگ اپنے اعمال کے۔ پھر خدا کا نام بلند کرنے کے لئے یہ کہنا کہ جب تک فلاں یہ کام نہ کرے۔ اس وقت تک ہم بھی نہ کریں گے۔ کہاں کی مولویت ہے۔

بات صرف اتنی ہے۔ ع دل ہی نہ چاہے جب تو بہانے ہزار ہیں

یہ آج اس شخص کی بہانہ سازیاں بلکہ ابلہ فریبیاں ہیں۔ جو کل اسی علاقہ کے احمدیوں کو مذبح کھلوا دینے کا اعلان کر رہا تھا۔ اگر اس میں شرم و حیا کا ایک ذرہ بھی باقی ہو تو ڈوب مرنا چاہیئے۔

الفضل 7.2.35 صفحہ 6

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ

رمضان المبارک کے برکات

از حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

فرمودہ ۳۱ جنوری ۳۵ء

سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

میں کھانسی کی وجہ سے زیادہ بول تو نہیں سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے کل سے رمضان شروع ہونیوالا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کے متعلق کچھ بیان کر دوں۔

میں نے اپنے تجربہ کی بناء پر یہ بات دیکھی ہے۔ کہ رمضان کے بارے میں مسلمانوں میں

افراط و تفریط

سے کام لیا جاتا ہے۔ کئی تعلیم یافتہ لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ رمضان کی برکات کے قائل ہی نہیں۔ اور بغیر کسی بیماری۔ بڑھاپے یا اور عذر شرعی کے روزہ کے تارک ہیں۔ اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو سارا اسلام روزہ میں ہی محدود سمجھتے ہیں۔ اور ہر بیمار۔ کمزور۔ بوڑھے۔ بچے۔ حاملہ اور دودھ پلانیوالی عورت سے بھی یہی امید رکھتے ہیں۔ کہ روزہ ضرور رکھے۔ خواہ بیماری بڑھ جائے۔ یا صحت کو نقصان پہنچ جائے۔ یہ دونوں افراط اور تفریط میں مبتلا ہیں۔

اسلام کا منشاء

یہ نہیں۔ کہ انسان کو اس رستہ سے ہٹنے دے۔ جو اس کی کامیابی کا ہے۔ اگر تو شریعت چٹی ہوتی۔ یا جرمانہ ہوتا۔ تو بے شک ہر شخص پر خواہ وہ کوئی بوجھ اٹھا سکتا یا نہ اٹھا سکتا۔ اسے اٹھانا ضروری ہوتا۔ جیسے حکومت کی طرف سے جرمانہ کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا۔ کہ جس پر کیا گیا ہے۔ اس میں ادا کرنے کی استطاعت بھی ہے یا نہیں۔ اور جس پر جرمانہ ہو۔ اسے خواہ گھر بار بیچنا پڑے۔ بھیک مانگنا پڑے۔ غرضیکہ وہ رہے یا مرے جرمانہ کی رقم ادا کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ مگر قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ

اسلام کے احکام

چٹی نہیں۔ بلکہ وہ انسان کے اپنے فائدہ کے لئے ہیں۔ اور ان پر عمل کرنے سے خود انسان کو ہی آرام ملتا اور اس کی ترقی کے رستے کھلتے ہیں۔ جن مذاہب نے شریعت کو چٹی قرار دیا ہے۔ انکے ماننے والوں کے لئے ضروری ہے۔ کہ خواہ کچھ ہو۔ اپنے مذہبی احکام کو ضرور پورا کریں۔ لیکن جس مذہب کے احکام کی غرض محض انسانی فائدہ ہو۔ اس میں

نفع اور نقصان کا موازنہ

ہوتا ہے۔ اور جو صورت زیادہ مفید ہو۔ اسے اختیار کر لیا جاتا ہے۔ اسلام نے بعض شرائط مقرر کر دی ہیں۔ اگر وہ کسی میں پائی جائیں تو وہ ایک حکم پر عمل کرے۔ اور اگر نہ پائی جائیں۔ تو نہ کرے۔ یہ شرائط صرف جسمانی عبادت کے لئے ہی نہیں۔ بلکہ مالی عبادت کے لئے بھی جیسے زکوٰۃ ہے۔ ملی قربانی اور اتصال و اتحاد کی کوشش کے لئے جیسے حج ہے۔ رکھے گئے ہیں۔ اور جتنے مسائل اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جتنے احکام واجب و فرض ہیں۔ ان سب کے لئے یہ شرط ہے۔ کہ جب انسان کو طاقت ہو۔ انہیں ضرور ادا کرے۔ لیکن جب اس کی طاقت سے بات بڑھ جائے۔ تو وہ معذور ہے۔ اگر حج انسان کے مالدار ہونے اور امن و صحت سے مشروط ہے۔ اور اسی طرح اگر زکوٰۃ کے لئے یہ شرط ہے کہ ایک خاص مقدار میں کسی کے پاس ایسا مال ہو۔ جو اس کی ضروریات سے ایک سال تک بڑھا رہے۔ اور اگر نماز کے لئے یہ شرط ہے۔ کہ جو کھڑا نہ ہو سکے بیٹھ کر اور جو بیٹھ نہ سکے۔ لیٹ کر ادا کرے۔ تو

رمضان کے لئے

بھی یہ شرط ہے۔ اگر انسان مریض ہو۔ خواہ وہ مرض لاحق ہو یا ایسی حالت ہو جس میں روزہ رکھنا یقیناً مریض بنا دیگا۔ جیسے حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت یا ایسا بوڑھا شخص جس کے قویٰ میں انحطاط شروع ہو چکا ہے۔ یا پھر اتنا چھوٹا بچہ کہ جس کے قویٰ نشوونما پا رہے ہیں۔ تو اسے روزہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ اور ایسے شخص کو اگر آسودگی حاصل ہو۔ تو ایک آدمی کا کھانا کسی کو دے دینا چاہیئے۔ اور اگر یہ طاقت نہ ہو۔ تو نہ سہی۔ ایسے شخص کی نیت ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک

اس کے روزہ کے برابر ہے

اگر روک عارضی ہو۔ اور بعد میں وہ دور ہو جائے۔ تو خواہ فدیہ دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ روزہ بہرحال رکھنا ہوگا۔ فدیہ دیدینے سے روزہ اپنی ذات میں ساقط نہیں ہو جاتا۔ بلکہ یہ تو محض اس بات کا بدلہ ہے۔ کہ ان دنوں میں باقی مسلمانوں کے ساتھ مل کر میں اس عبادت کو ادا نہیں کر سکتا۔ یا اس بات کا شکرانہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عبادت کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ کیونکہ روزہ رکھ کر بھی

فدیہ دینا مسنون ہے

اور نہ رکھکر بھی۔ روزہ رکھ کر جو فدیہ دیتا ہے۔ وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ کیونکہ روزہ رکھنے کی توفیق پانے پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور جو روزہ رکھنے سے معذور ہو۔ وہ اپنے اس عذر کی وجہ سے دیتا ہے۔ آگے یہ عذر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ عارضی اور مستقل۔ ان دونوں حالتوں میں فدیہ دینا چاہیئے۔ پھر جب عذر دور ہو جائے۔ تو روزہ بھی رکھنا چاہیئے۔ غرضیکہ خواہ کوئی فدیہ بھی دیدے۔ لیکن سال دو سال تین سال جب بھی صحت اجازت دے۔ اسے پھر روزہ رکھنا ہوگا۔ سوائے اس صورت کے کہ پہلے مرض عارضی تھا۔ اور صحت ہونے کے بعد وہ ارادہ ہی کرتا رہا۔ کہ آج رکھتا ہوں۔ کل رکھتا ہوں۔ کہ اس دوران میں اس کی صحت پھر مستقل طور پر خراب ہو جائے۔ باقی جو بھی طاقت رکھتا ہو۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ دوسرے ایام میں روزے رکھے۔

روزہ خود انسان کی اپنی نجات کا موجب

اور خود اس کے اپنے فائدہ کے لئے ہے۔ یہی نہیں کہ اس سے انسان اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کی وجہ سے اس کے فضلوں کا وارث ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ اس کے اندر ایسی قابلیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو اسے خدا تعالیٰ کے قریب کر دیتی ہیں۔ پھر

جسمانی طور پر

بھی اس میں فوائد ہیں۔ انسان کو دنیوی لذائذ سے بچنے کا موقعہ ملتا ہے۔ گویا یہ ایک قسم کی چلہ کشی ہوتی ہے۔ انسان عموماً تیس دن چلہ کشی کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو ایک حد تک لذائذ سے روکتا ہے۔ اس سے اس میں روحانی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان کے لئے حکم ہے۔ کہ وہ اخلاق الٰہیہ اپنے اندر پیدا کرے جیسا کہ فرمایا۔ تخلقوا باخلاق اللّٰہ۔ اور روزہ رکھنے سے

کے رنگ میں

خدا تعالےٰ سے مشابہت

پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی ذات کھانے پینے سے کلی طور پر منزہ ہے۔ لیکن انسان چونکہ کلی طور پر کھانا پینا ترک نہیں کر سکتا۔ اس لئے روزہ سے اسے اس حد تک اللہ تعالےٰ سے مشابہت پیدا کرنے کا موقعہ دیا گیا ہے۔ جس حد تک اس کے لئے ممکن ہے گویا ان دنوں میں انسان ایک رنگ میں ملائکہ سے مشابہ ہوتا ہے جو مادی غذاؤں سے پاک ہیں۔ اور ایک رنگ میں خدا تعالےٰ سے جو کھانے پینے سے بکلی پاک ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ

روحانی وجود

بھی غذا کے ایسے ہی محتاج ہوتے ہیں۔ جیسے جسمانی۔ کیونکہ اگر وہاں غذا ضروری نہ ہوتی۔ تو جنت میں غذاؤں کا ذکر کیوں آتا۔ جہاں صرف روحیں ہی جائیں گی۔ ملائکہ بھی غذا کھاتے ہیں۔ مگر اور قسم کی۔ غرضیکہ دنیا کا ہر چھوٹے سے چھوٹا ذرہ اور مرکب سے مرکب چیز بھی اپنے رنگ کی غذا کی محتاج ہے۔ اور تمام مادی اور روحانی اشیاء کے لئے خوراک ضروری ہے لیکن دونوں کی غذا میں فرق ہے۔ غذا سے بالکل پاک

اللہ تعالیٰ کی ذات

ہے۔ باقی چیزیں۔ جن۔ فرشتے۔ آسمان۔ زمین۔ زندے۔ مردے۔ سب غذاؤں کے محتاج ہیں۔ لیکن ہر ایک کی غذا الگ الگ ہے۔ صرف اللہ تعالےٰ کی ذات ہے۔ جو غذا کی محتاج نہیں۔ کیونکہ اسے فنا نہیں۔ ہر فنا ہونے والے کے لئے بدل ما یتحلل ضروری ہوتا ہے۔ تو روزہ کے دنوں میں غذا سے ایک حد تک اجتناب اللہ تعالےٰ سے مشابہت پیدا کر دیتا ہے۔ غذا کم ہونے سے انسان کی روحانی بصیرت تیز ہوتی ہے۔ روحانی وجودوں کی غذائیں چونکہ لطیف تر ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ رویت الٰہی کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ

رویت الٰہی کا کمال

مرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہاں غذا لطیف ہو گی۔ جس سے روحانی بصیرت بڑھ جاتی ہے۔ ملائکہ کی جسمانی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ لیکن ان کی روحانی بینائی انسان کی نسبت بہت تیز ہوتی ہے۔ تو رمضان سے انسان کی روحانی تربیت مکمل ہوتی ہے۔ جس سے اس کی

روحانی بصیرت

تیز ہو جاتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالےٰ کے ایسے فیوض جذب کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ جن کو وہ رمضان کے بغیر نہیں کر سکتا تھا۔ رمضان ہی کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ اگر میرے بندے سوال کریں۔ خدا کہاں ہے۔ تو کہدے میں قریب ہی ہوں۔ یوں تو ہمیشہ ہی خدا تعالےٰ قریب ہوتا ہے۔ اور پھر جو بندہ اسے پکارتا ہے۔ وہ تو اسے پہلے ہی مانتا ہے۔ پھر یہاں سَاَلَکَ کا کیا مطلب ہوا۔ اس کا مطلب یہی ہے۔ کہ جب میرا بندہ رمضان کے متعلق سوال کرتا ہے۔ کہ روزے سے

خدا کی رضاء

کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ روزہ سے انسان

خدا تعالےٰ کے قریب

ہو جاتا ہے جس کی ظاہری صورت یہ ہے۔ کہ روزہ دار کی دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یہاں اجیب دعوۃ الداعین نہیں فرمایا۔ بلکہ صرف الداع فرمایا جس کے معنے ہیں۔ کہ ہر پکارنے والے کی نہیں۔ بلکہ روزہ دار پکارنے والے کی دعا سنی جاتی ہے

پس رمضان کی ایک برکت تو یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ اور ملائکہ سے مشابہت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے خدا تعالےٰ کی قربت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور تیسرے یہ کہ دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ یہ تو روحانی فوائد ہیں۔ اور جسمانی طور پر یہ فائدہ ہوتا ہے کہ انسان تکالیف اور شدائد کا عادی ہو جاتا ہے۔ جسمانی ترقیات بھی روحانی ترقیات کی طرح

مجاہدات پر مبنی

ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مہذب حکومتیں جو فوجیں رکھتی ہیں ان کے سپاہیوں سے باقاعدہ پریڈ کراتی رہتی ہیں جس سے ان کے اندر شدت پیدا ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالےٰ سے گہرے تعلقات رکھنے والے لوگوں کی غذائیں ہمیشہ کم ہوتی ہیں۔ یعنی وہ اپنے ہی جیسے سامان۔ حالات صحت اور معدے رکھنے والے انسانوں سے کم خوراک کھاتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اگر ایک انسان کا معدہ خراب ہو اور وہ زیادہ نہ کھا سکے۔ تو کہا جائے۔ اس میں روحانیت زیادہ ہے۔ کیونکہ شرط یہ ہے۔ کہ دوسرے سامان بھی ایک ہی جیسے ہوں۔ ایک ہی حالت میں وہ انسان جس میں روحانیت ہو گی۔ دوسرے سے کم کھائیگا۔ اسی لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مومن ایک انتڑی سے کھاتا ہے۔ تو کافر دس انتڑیوں سے۔ خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی غذا بہت کم تھی۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو ہمنے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ آپ بمشکل ایک پھلکا کھاتے تھے۔ یہ نہیں کہ بھوکے رہ کر ایسا کرتے تھے۔ بلکہ آہستہ آہستہ رغبت سے استغناء پیدا ہوتے ہوتے یہ عادت ہو گئی تھی۔ اور توجہ اور خیالات کی رو کے اس طرف سے ہٹ جانے سے آہستہ آہستہ کھانا بہت قلیل رہ گیا تھا۔ لیکن جو لوگ

روحانیت کے اعلےٰ مقام

پر نہیں ہوتے۔ اور جن پر اللہ تعالےٰ کا تصرف غالب نہیں ہوتا ان کو کبھی کبھی اس کی مشق کرائی جاتی ہے جیسے ایک باقاعدہ فوج ہوتی ہے اور ایک ٹیری ٹوریل جسے سال میں صرف ایک مہینہ کی مشق کرائی جاتی ہے۔ پس رمضان ٹیری ٹوریل فوج کی ٹریننگ کی طرح ہے۔ ورنہ عام طور پر

روحانی لوگوں کی غذا

کم ہوتی ہے۔ اور وہ اتنا کم کھاتے ہیں۔ کہ نفس موٹا نہ ہو جائے۔ اور جسم پر چربی چھا کر روحانیت میں روک نہ پیدا کر سکے لیکن جو لوگ اس مقام پر نہیں ہوتے۔ وہ بھی چونکہ اللہ تعالےٰ کے بندے ہیں۔ اور ان کی اصلاح بھی اس کے ذمہ ہے۔ اس لئے ان کو ٹریٹوریل کی طرح رمضان میں مشق کرائی جاتی ہے تا وہ بھی روحانی ترقی کر سکیں۔

روزہ اگرچہ روحانی مجاہدہ ہے۔ مگر ساتھ ہی

جسمانی فوائد

بھی رکھتا ہے۔ کیونکہ کئی ایک زہر اس سے انسانی جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اور کئی بیماریاں موٹاپے وغیرہ کی دور ہو جاتی ہیں۔ اور اب تو ڈاکٹروں نے تحقیقات سے معلوم کیا ہے۔ کہ روزہ ذیابیطس کے مریضوں کے لئے بہت مفید ہے۔ اور ذیابیطس کے مریضوں کو قریباً چالیس یوم کے روزے رکھوائے جاتے ہیں۔ کئی ایک مریضوں نے خود مجھے بتایا ہے کہ اس طرح ان کا مرض دور ہو گیا۔ حتیٰ کہ زخم بھی جو اس مرض کی آخری حالت میں پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ اچھے ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روزہ میں جسمانی طور پر بھی فوائد ہیں روحانی اور جسمانی دونوں مجاہدات کے علاوہ پھر ایک اور مجاہدہ ہوتا ہے۔ جو روحانی اور جسمانی کے درمیان ہوتا ہے۔ جس کے لئے روزہ تیار کر دیتا ہے۔ اور وہ

شدائد کی برداشت

اور وقت پڑنے پر محنت کی عادت ہے بعض اوقات قومی یا ملکی کاموں کے لئے ایسی حالت بھی آ جاتی ہے۔ اور یہ دنیاوی بھی ہوتی ہے۔ جیسے ملک یا وطن کی خدمت اور دینی بھی ہوتی ہے۔ جیسے جہاد۔ اور روزہ سے یہ فائدہ بھی ہوتا ہے۔ کہ انسان اس مجاہدہ کے قابل ہو جاتا ہے۔

پھر رمضان کے اندر یہ فائدہ بھی رکھا ہے۔ کہ انسان معلوم کر سکے۔ کہ اس کے دوسرے

فاقہ زدہ بھائیوں کی حالت

کیا ہے۔ اور فاقہ میں انسان پر کیا گذرتی ہے۔ اس سے وہ غرباء کی حالت کا اندازہ کر سکتا ہے۔ اور یہ بات اسلام کی سب عبادتوں میں ہے۔ کہ دوسروں کی حالت کا پتہ لگتا ہے۔ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے اور باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ پھر ایک

غلامی کی حالت

ہے جس سے انسان اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ غلاموں کی حالت کیا ہوگی۔

میں حیران ہوتا ہوں۔ جب بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ نماز میں توجہ نہیں رہ سکتی۔ حالانکہ نماز دس پندرہ منٹ کا کام ہوتا ہے۔ ایسے لوگ غور کریں۔ وہ لوگ جن کو چوبیس گھنٹہ ہی غلامی میں گذارنے پڑتے ہیں۔ اور گھنٹوں گھٹنے ٹیک کر مؤدب ایک ہی پوزیشن میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ ان کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ تو نماز انسان کو غلاموں کی حالت سے آگاہ کر دیتی ہے۔ حج میں اپنا وطن ۔ گھر بار چھوڑنا پڑتا ہے۔ جس سے ان لوگوں کی حالت کا پتہ لگتا ہے۔ جو

جلاوطن

کئے جاتے ہیں۔ صدقہ و خیرات

غربت کی حالت

کا اندازہ کراتی ہے۔ روزہ

فاقہ زدہ بھائیوں کا پتہ

دیتا ہے۔ اسی طرح جب انسان حج کے لئے جاتا ہے تو اُسے ان لوگوں کی حالت کا بھی علم ہوتا ہے۔ جن کے پاس کپڑے نہیں ہوتے۔ انسان کئی کپڑوں کا عادی ہوتا ہے۔ لیکن وہاں صرف ایک ہی چادر یا ندھنی پڑتی ہے جس میں اِدھر اُدھر سے ٹھنڈی ہوا گزر کر ان لوگوں کی حالت بتاتی ہے جن کے پاس کپڑے نہیں ہوتے۔ یا کم ہوتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول کسی شخص کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ کہ میرا ان سے تعارف اس طرح ہوا کہ میں نے حج کے موقعہ پر انہیں دیکھا۔ ہوا کی وجہ سے باقی لوگوں نے اپنے سر ڈھانپ لئے۔ لیکن انہوں نے اِدھر اُدھر مختلف چیزیں رکھ لیں جس سے میں نے سمجھا۔ کہ ان میں زیادہ ہے۔ اور جس وقت جہاز میں سرد ہوا چلتی ہے۔ تو جسم پر ایک ہی کپڑا ہمیشہ

ننگے رہنے والوں کی طرف

توجہ متوجہ کر دیتا ہے۔ اس وجہ سے حج امراء کے لئے رکھا گیا ہے۔ تا وہ غریبوں کی حالت سے آگاہ رہ سکیں۔ تو

اسلام کی تمام عبادتوں میں

اس بات کا خیال رکھا گیا ہے۔ کہ ایک دوسرے کی حالت سے آگاہی حاصل ہوتی رہے۔ کیونکہ اس علم سے

واسطہ اور رابطہ

بڑھتا ہے جس سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ پھر رمضان کا یہ بھی فائدہ ہے۔ کہ جن کو

راتوں کو جاگنا

پڑتا ہے۔ ان کی حالت کا علم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی مشق ہوتی ہے۔ کہ حلال چیزوں کو خدا کی خاطر ترک کر دیا جائے اور جب حلال چھوڑ سکتا ہے۔ تو پھر حرام کو چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے غرض اس سے

کئی قسم کے سبق

حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن فائدہ وہی اُٹھا سکتا ہے۔ جو استعمال کرے۔ جو استعمال نہ کرے۔ اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ خالی رمضان میں فائدہ نہیں۔ بلکہ رمضان کی حالت پیدا کرنا فائدہ کا موجب ہے۔ جس طرح کونین کو استعمال کرنے سے ہی بخار کو آرام ہو سکتا ہے۔ جو اسے استعمال نہیں کرتا۔ اس کے ارد گرد کے گھروں میں خواہ کتنی استعمال ہوتی ہو۔ اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ پس خدا تعالےٰ جن کو توفیق دے۔ انہیں

ضرور روزے رکھنے چاہئیں

ہماری جماعت کے تعلیم یافتہ لوگوں کو چاہیئے۔ تعلیم یافتوں کے لئے نمونہ بنیں۔ اور عوام کو عوام کے لئے نمونہ بننا چاہیئے۔ پھر عورتیں روزہ کے معاملہ میں

بلاوجہ تنگی

کرتی ہیں۔ اِس لئے انہیں یہ نمونہ دکھانا چاہیئے۔ کہ جہاں روزہ جائز نہیں۔ وہاں اعتراض سے ڈر کر یا رسم و رواج کی پابندی کی وجہ سے روزہ نہ رکھیں۔ غرضیکہ جو کمی کرنے والے ہیں۔ ان کے لئے روزہ رکھ کر اور جو سختی کرنے والے ہیں۔ ان کے لئے اس حالت میں جس کی شریعت نے تشریح کر دی ہے۔ روزہ چھوڑ کر نمونہ بننا چاہیئے۔

میں دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ ہمیں صحیح رستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین :

جماعت احمدیہ میں خلافت ضروری ہے

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب رفیق اعلیٰ کی طرف کوچ فرمایا۔ تو آپ کے جان نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے محبوب آقا کی تجہیز و تکفین سے قبل خلیفہ کا انتخاب ضروری سمجھا۔ اور اس وقت تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تدفین عمل میں نہ آئی جب تک کہ خلافت کا فیصلہ نہ ہوگیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس اجماعی طرزِ عمل سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ جماعت میں خلیفہ کا ہونا اشد ضروری ہے اسی سنت اللہ اور سنتِ انبیاء علیہم السلام کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ کا سب سے پہلا اجماع اسی بات پر ہوا۔ کہ جماعت کا ایک واجب الاطاعت خلیفہ ہونا چاہیئے۔ اور جماعت کے اربابِ اقتدار نے بالاتفاق حضرت نورالدین اعظمؓ کو خلیفہ اوّل تسلیم کر کے آپکی قیادت میں ساری جماعت کو دیدیا۔ اہلسنت والجماعت کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اور قرآن و حدیث سے مؤید ہے۔ کہ مسلمانوں کا کسی امر پر اجماع کرنا حجت شرعی ہے پس اس لحاظ سے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد تمام جماعت کا خلافت پر اجماع جماعت کے اندر خلافت پر ایک زبردست دلیل ہے۔ بلکہ ایک حجت شرعی ہے جس کا انکار انسان کو دائرہ ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یجمع امتی علے الضلالۃ۔ رواہ الترمذی یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے تمام افراد کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ اس حدیث نبوی کے ماتحت ماننا پڑیگا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ کا جس بات پر اجماع ہوا۔ وہ ضلالت نہیں۔ بلکہ حق ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ”ثم یسافر المسیح الموعود او خلیفۃ من خلفائہ الی ارض دمشق الخ (حمامۃ البشریٰ طبع اول صفحہ ۳) کہ مسیح موعودؑ یا اس کے خلیفوں میں سے کوئی خلیفہ ارض دمشق کی طرف سفر کریگا۔ یہ عبارت اس بات کا بیّن ثبوت ہے۔ کہ آپؑ کے بعد آپ کی جماعت میں خلفاء ہوں گے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ دمشق نہیں گئے۔ لہذا ضروری ہوا کہ کوئی اور خلیفہ جائے۔ پس خلافت کا وجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد آپؑ کی جماعت میں ثابت ہے۔ نیز اس سے ضمنی طور پر یہ بھی نکل آیا۔ کہ انجمن آپ کی خلیفہ نہیں ہوگی۔ بلکہ شخص واحد ہوگا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی آخری تصنیف پیغام صلح میں فرماتے ہیں۔ ؎

”جو لوگ ہماری جماعت سے ابھی باہر ہیں۔ دراصل وہ سب پراگندہ طبع اور پراگندہ خیال ہیں۔ اور کسی ایسے لیڈر کے ماتحت وہ لوگ نہیں۔ جو ان کے نزدیک واجب الاطاعت ہو“

(پیغام صلح صفحہ ۱۳)

اب ظاہر ہے۔ کہ جماعت کے لئے واجب الاطاعت خلیفہ ہی ہوتا ہے۔ پریذیڈنٹ نہیں ہو سکتا۔ پس جماعت احمدیہ میں خلافت کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت اور دوسرے فرقوں میں مابہ الامتیاز یہ امر قرار دیا ہے۔ کہ جماعت احمدیہ ایک واجب الاطاعت امام کے ماتحت ہو۔ کیا وہ لوگ جو جماعت احمدیہ میں چھ سال تک خلافت کے ماتحت رہ کر پھر اس کے منکر ہو گئے۔ بتا سکتے ہیں۔ کہ وہ کسی واجب الاطاعت لیڈر کے ماتحت ہیں۔ اگر ہیں۔ تو ایسے لیڈر کا نام لیں۔ اور اگر نہیں۔ تو خدارا غور کریں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے ماتحت ان کے پراگندہ طبع اور پراگندہ خیال ہونے میں کیا شک ہے۔

طلباء مدرسہ احمدیہ کی طرف سے دعوت۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی تقریر

طلباء کو نصیحت۔ مبلغین کے لئے ضروری صفات۔ ممالک غیر میں تبلیغ اسلام کی اہمیت

طلباء مدرسہ احمدیہ نے حکیم فضل الرحمٰن صاحب کو ان کی آمد کی خوشی پر جو دعوت چا دی۔ اور ایڈریس پیش کیا۔ اس موقعہ پر حکیم صاحب نے شکریہ ادا کرتے ہوئے جو تقریر کی۔ اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے مفصل تقریر فرمائی۔ وہ درج ذیل کی جاتی ہیں

(ایڈیٹر)

حکیم صاحب کی تقریر

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح و بزرگان سلسلہ اور برادران کرام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میرے متعلق جن باتوں کا اظہار اس ایڈریس میں کیا گیا ہے۔ وہ اسی رنگ میں آپ کو نظر آئی ہیں۔ جس رنگ میں بیان کی گئی ہیں۔ میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں۔ کہ اس نے مجھے اس بات کی توفیق دی۔ کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض الہام کو پورا کرنے میں حصہ لے سکا۔ جیسا کہ آپ کا یہ الہام کہ میں "تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہونچاؤں گا۔" یہ محض

خدا کے فضل سے کامیابی

حاصل ہوئی۔ جس کا اظہار اخبارات میں ہوتا رہا ہے۔ اور میں بغیر کسی قسم کی کسر نفسی اور بغیر کسی تکلف کے عرض کرتا ہوں۔ کہ میری جو قابلیت تھی۔ یا اب ہے۔ وہ مدرسہ احمدیہ کے طالب علموں سے بھی کم ہے پھر اس

کامیابی کی وجہ

سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور بزرگان سلسلہ کی دعائیں اس کا موجب ہوئیں۔ ہاں جو بات میرے مدنظر رہی۔ وہ یہ تھی۔ کہ میں ان احباب کی منشاء کو سمجھنے اور اسے پورا کرنے کی کوشش کروں۔ جن کے ہاتھوں میں

تبلیغ اسلام کا کام

ہے۔ میں مفصل اور صحیح حالات سے انہیں مطلع کرتا۔ ان کی ہدایات کا منتظر رہتا۔ اور جب ہدایات آجاتیں۔ تو ان کے مطابق کام کرتا

دوسرے

میں نے اپنے آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حضور گرائے رکھا۔ حضور کی طرف سے جو ارشاد آتا۔ اس پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کبھی

کوئی شکایت

کسی ایسے امر کے متعلق نہ کی۔ جو میری منشاء کے خلاف ہو۔ کیونکہ میں سمجھتا تھا۔ انتظامی امور میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ کوئی کام جلدی ہو جاتا ہے۔ اور کبھی میں دیر لگ جاتی ہے۔ جس کے متعلق مجھے کوئی شکایت ہوتی۔ اسی کے سامنے پیش کرتا۔ اور سمجھتا رہا۔ کہ یہی

کام کرنے کا طریق

ہے ۔

باقی جو کامیابی ہوئی۔ وہ میرے نزدیک سلسلہ کی عظمت کے لحاظ سے بہت چھوٹی ہے۔ وہاں کام کو ترقی دینے اور بڑھانے کی بے حد ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے

کام کرنے والوں کی ضرورت

ہے۔ جو آپ میں سے ہی ہونگے۔ اس لئے میں نوجوانوں سے کہونگا۔ کہ اس فیلڈ میں کام کرنے کے لئے اپنے آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح کے حضور پیش کریں۔ گو مالی مشکلات سدراہ ہیں مگر مجھے جو تجربہ ہوا ہے۔ اس کی بناء پر کہہ سکتا ہوں۔ کہ وہاں کرایہ دے کر اور کم از کم چھ ماہ کا خرچ دے کر پہونچا دیا جائے۔ تو پھر کام چل سکتا ہے ۔

وہاں کی آب وہوا بے شک مجھے موافق نہیں آئی۔ مگر جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے۔ تو ایسی باتوں کی پرواہ نہیں کی جا سکتی۔ میں جب پہلے پہل وہاں گیا۔ تو

ایک سرکاری افسر

سے ملنے کے لئے گیا۔ اس نے پوچھا۔ یہاں آئے کتنی دیر ہوئی ہے میں نے کہا چھ مہینے۔ کہنے لگا۔ وطن تو یاد نہیں آتا۔ میں نے کہا۔ یاد آتا ہے۔ مگر جس کام کے لئے میں یہاں آیا ہوں۔ وہ سب سے مقدم ہے۔ کہنے لگا This is very good missionary spirit ۔ تو مشکلات پیش آتی ہیں۔ غذا کی دقت ہوتی ہے۔ آب وہوا مخلف ہوتی ہے۔ مگر جو اس غرض سے نکلے۔ کہ خدا کے لئے کام کرنا ہے۔ اُسے ضرور کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ

افریقہ میں تبلیغ

کے متعلق تمام حالات اخبارات سے احباب کو معلوم ہوتے رہے ہیں۔ اس لئے ان پر مفصل طور پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں پھر خدا کا شکریہ کرتا ہوا اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ کہ اُس نے مجھے موقعہ دیا کہ میں نے اپنے آپ کو خدمت دین کے لئے پیش کیا۔ پھر میں اس ارادہ پر مستقل رہا۔ اور باہر گیا۔ اور خدا تعالیٰ نے کامیابی بخشی ؛

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی تقریر

میں نے متواتر سکول کے اساتذہ کو بھی اور طلباء کو بھی اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ ایک مبلغ سب سے بڑا کام زبان سے لیتا ہے اس لئے

زبان کا صحیح استعمال

ضروری ہے۔ لیکن یہ شکایت قریباً ہمیشہ مدرسہ احمدیہ کے طلباء کے متعلق پیدا ہوئی ہے۔ کہ ان کا لہجہ اور تلفظ صحیح نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات تو اس حد تک گرا ہوا ہوتا ہے۔ کہ کان اس کے سننے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور ایسی غلطیاں کی جاتی ہیں۔ جو معمولی عدم توجہ کے باعث ہوتی ہیں۔ اور معمولی سی توجہ کرنے سے دور ہو سکتی ہیں۔ خواہ ایسی غلطیاں استادوں کی عدم توجہ کی وجہ سے ہوں۔ یا طلباء کی عدم توجہ کی وجہ سے۔ ہر حال میں قابل افسوس ہیں۔ گو طبعاً مجھے یہ بات ناپسند ہوتی ہے۔ کہ میں

کسی کے نقائص

پر زور دوں خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ یہ معلوم ہو۔ کہ کس کے نقائص کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ لیکن طالب علموں کی حیثیت ایسی ہوتی ہے۔ کہ انہیں ان کی غلطیاں بتائی جائیں اور اصلاح کی طرف توجہ دلائی جائے اس لئے میں کہوں گا۔ اس وقت جو ایڈریس پڑھا گیا ہے۔ اس کے پڑھنے والے نے بعض الفاظ نہایت غلط پڑھے ہیں۔ مثلاً محتاج کو متاج پڑھا ہے۔ محتاج ایک عام لفظ ہے۔ جو پنجابی بولنے والے عام طور پر اسی طرح بولتے ہیں۔ جس طرح پڑھا گیا ہے۔ مگر مدرسہ احمدیہ کے طلباء کو جو اس کا

صحیح تلفظ

جانتے ہیں اور جنہیں ضرور جاننا چاہیئے۔ انہیں اس طرح نہیں پڑھنا چاہیئے اسی طرح مُظَفّر کو مَظْفر۔ مُراجعت کو مَراجعت پڑھا گیا ہے۔ اور بھی بہت الفاظ عربی اور اردو کے لحاظ سے غلط پڑھے گئے ہیں۔ اور ایک کو تو ایسا بگاڑ دیا گیا۔ کہ میں اسے سمجھ ہی نہیں سکا۔ غرض اس ایڈریس میں دو تین درجن الفاظ ایسے استعمال کئے گئے ہیں۔ جن میں

معمولی سی احتیاط کی ضرورت

تھی اور وہ صحیح پڑھے جا سکتے تھے۔ مثلاً بحر کو فر پڑھا گیا ہے۔ بے شک یہ درست ہے۔ کہ

پنجابی حلق

ہر ایک لفظ کو پوری طرح ادا نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک شخص نے اعتراض کیا۔ کہ یہ تو قرآن کا صحیح تلفظ عربی لہجہ میں ادا نہیں کر سکتا۔ ایسا شخص کہاں مسیح ہو سکتا ہے۔ اس کی یہ بات سنکر سید عبد اللطیف صاحب شہید نے اس پر ہاتھ اٹھایا۔ مگر مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی انہیں روک دیا۔ تو بے شک بعض الفاظ کا

عربی لہجہ میں تلفظ

ادا کرنا اختیار سے باہر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر پنجابی تقریر کرتے وقت کوئی ضاد کو عربی لہجہ میں ادا کرنے کے پیچھے پڑیگا۔ تو ایک طرف تو اس سے ضاد ادا نہ ہو سکیگا۔ اور دوسری طرف اصل مضمون اس کے ذہن سے جاتا رہیگا۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں۔ کہ بعض الفاظ

پرانے زمانے کی غلطی

کے نتیجہ کے طور پر غلط بولے جاتے ہیں۔ یا ان کے صحیح بولنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ ورنہ صحیح ادا کرنے کی قابلیت ہوتی ہے۔ مثلاً ف کی بجائے پ کا ادا کرنا کسی پنجابی کے لئے مشکل نہیں ہے۔ مگر چونکہ پنجابیوں میں پ کی بجائے ف کو ادا کرنے کا رواج ہے۔ اور عام طور پر پھر کو فیر کہتے ہیں۔ اس لئے پڑھے لکھے بھی اسی طرح استعمال کرتے ہیں۔

اس قسم کے الفاظ ایسے ہیں۔ کہ ان کی اصلاح کرنے میں کوئی مشکل نہیں پیش آتی۔ صرف احتیاط کی کمی ہے۔

طلبا اور استادوں کے لئے ضروری ہے

خصوصاً اس زمانہ میں۔ جبکہ ہر قوم کوشش کر رہی ہے۔ کہ اس کی زبان ترقی کرے۔ اور ہماری یہ کوشش ہے۔ کہ اردو علمی زبان بن جائے۔ صحیح تلفظ ادا کیا جائے۔

ایک عرب

اس بات کی کوشش کرتا ہے۔ کہ جو الفاظ اس کی قوم میں استعمال ہوتے ہیں۔ انہیں غلط استعمال نہ کرے۔ اسی طرح

ایک تعلیم یافتہ انگریز

بھی اپنی زبان کے الفاظ غلط استعمال نہ کرے گا۔ ہم بھی اگر دوسری قوموں میں اپنی زبان کی عزت قائم کرنا چاہتے اور خود اپنی نظروں میں اسے عزت دیتے ہیں۔ تو ہمارے لئے بھی لازمی ہے۔ کہ ہم اپنی زبان کے صحیح الفاظ ادا کریں۔ سوائے اس کے کہ کبھی روانی تقریر میں کوئی لفظ غلط ادا ہو جائے۔ اور ایسی غلطی

بڑے سے بڑا مقرر

کر سکتا ہے۔ میں نے مولوی شبلی صاحب۔ اور مولوی ابوالکلام صاحب آزاد کی تقریریں سنی ہیں۔ وہ بھی ایسی غلطی کر جاتے۔ کہ جلدی اور روانی میں کوئی لفظ غلط منہ سے نکل گیا۔ اسے Slip of The Tongue یعنی

زبان کا پھسل جانا

کہتے ہیں۔ جیسے کوئی راستہ چلتے ہوئے پھسل جائے۔ یہ بات قابل معافی ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی پاؤں کے بل چلنے کی طاقت رکھنے والا شاہ راہ پر جا کر گھٹنوں کے بل چلنے لگے۔ تو یہ اس کی غلطی ہوگی۔ اور ناقابل معافی غلطی ہوگی۔ ایک دوڑتے ہوئے انسان کا پاؤں اگر پھسل جائے۔ تو اس کا پھسلنا نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

گو بچے اور دوسرے لوگ بھی اس کے پھسلنے پر ہنس پڑیں۔ مگر یہ ہنسی شغل کے طور پر ہوگی۔ اس کے فعل پر اظہار نفرت کے طور پر نہ ہوگی۔

میں پھر امید رکھتا ہوں۔ کہ مدرسہ احمدیہ کے استاد اور طلباء ایسی غلطیوں کی اصلاح کی طرف زیادہ توجہ کریںگے۔

اس کے بعد میں

حکیم فضل الرحمٰن صاحب کے کام کے متعلق

کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ انہوں نے اپنے کام کے متعلق بعض باتیں بیان کر دی ہیں۔ اگر وہ انہیں بیان نہ کرتے۔ تو میں خود بیان کرتا۔ مگر باوجود اس کے کہ انہوں نے وہ باتیں بیان کر دی ہیں میں ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ میں بھی ان کے متعلق کچھ بیان کر دوں۔

میرے نزدیک دنیا میں بعض بہتر سے بہتر قابلیت رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ مگر ان کی قابلیت ایسی قابل قدر نہیں ہوتی جتنی وہ

ادنٰے قابلیت

جو دوسری قابلیتوں کے مطابق آجاتی ہے۔ بسا اوقات اعلیٰ قابلیت خود ایسی قابلیت رکھنے والے کے لئے تباہی کا موجب ہو جاتی ہے۔ اور دوسروں کے لئے بھی مصائب کا باعث بن جاتی ہے۔ ایک اکیلا انسان جو دوسروں سے الگ تھلگ رہتا ہو۔ اپنے لئے جو چاہے۔ رستہ تیار کر سکتا ہے۔ اور اس پر صبر اور استقلال سے گامزن ہو سکتا ہے۔ لیکن جس نے دوسروں سے ملکر کام کرنا ہو۔ وہ اگر یہ سمجھے۔ کہ جو خیال نکالا ہو۔ اسی کے مطابق کام کرے۔ اور جس طرح کوئی بات وہ چاہے۔ اسی طرح ہو۔ یہ ناممکن ہے۔ یہ طریق اختیار کرنیوالا لازماً یا تو خود نہ رہے گا۔ یا وہ نہ رہیں گے۔ جن کے ساتھ ملکر اسے کام کرنا چاہئے تھا۔ اس دنیا میں جتنی چیزیں ہیں۔ وہ

گھس گھسا کر

گولائی اختیار کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ ریگستانوں میں ریت کے ذروں کو دیکھو۔ اور پہاڑوں پر پتھروں کو دیکھو۔ وہ گھستے اور گولائی پکڑتے جاتے ہیں۔ کیونکہ

دنیا کی ہر چیز

میں رگڑ جاری ہے۔ اس کے نتیجہ میں دو باتوں میں سے ایک ضرور اختیار کرنی پڑتی ہے۔ یا تو ٹوٹ جانا۔ یا پھر گھس جانا۔ اس کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہی چیز ہے جو دنیا میں

انسان کی کامیابی کا گر

ہے۔ اور یہی چیز ہے۔ جو ایک دوسرے سے اتحاد اور تعاون پیدا کر رہی ہے۔ مگر میں نے کئی لوگوں کو دیکھا ہے۔ ان میں خاص قابلیتیں ہوتی ہیں لیکن ان میں یہ مادہ نہیں ہوتا۔ کہ دوسروں کے ساتھ ملکر کام کریں۔ اور تعاون اور اتحاد سے کام لیں۔ اس لئے وہ خود بھی ناکام رہتے ہیں۔ اور دوسروں کے لئے بھی تکلیف کا موجب بنتے ہیں۔ جب تعاون کا سوال ہو۔ تو دوسروں کو اپنے خیالات کے ماتحت لانے کی کوشش کرتے ہیں اگر ایسا شخص افسر ہو۔ تو بھی کام خراب ہوتا ہے۔ اور اگر ماتحت ہو۔ تو بھی۔ پس

مبلغین کے لئے ضروری ہے

کہ جہاں ان کے اندر ان کی شخصیت موجود نہ ہو۔ وہاں انسانیت ضرور ہو۔ اللہ تعالےٰ نے انسان میں دو چیزیں پیدا کی ہیں۔ ان میں سے ایک انسانیت ہے۔ جو باقی انسانوں سے ملکر کام کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ جو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ ہم نے تم کو ایک انسان سے پیدا کر کے آگے بڑھا دیا۔ یعنی فرماتا ہے یٰایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیراً ونساءً۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ یہ تو ہر انسان جانتا ہے۔ کہ وہ ایک انسان سے پیدا ہوا ہے جو اس کا باپ تھا۔ پھر وہ ایک انسان سے پیدا ہوا۔ اسی طرح یہ سلسلہ

ایک آخری انسان

تک جا پہنچتا ہے۔ پھر اس بات پر اسلام کے زور دینے کی کیا وجہ ہے۔ دراصل اس میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ انسانوں کو

ایک دوسرے کے ساتھ ملکر کام

کرنا چاہئے۔ چنانچہ آگے اس کا ذکر بھی فرمایا۔ کہ واتقوا اللّٰہ الذی تساءلون بہ والارحام۔ کہ اس کے نتیجہ میں آگے تم کو ایک دوسرے سے تعاون کرنا پڑتا ہے۔ اور تم ایک دوسرے کی مدد سے ترقی کرتے ہو۔ یا یہ کہ ایک دوسرے کے تعلقات کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اس کے

دونوں معنی

ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک دوسرے کے تعلقات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کا تم لحاظ رکھتے ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر ایک طرف اللہ تعالےٰ سے تعلق رکھو۔ تو دوسری طرف انسانوں سے بھی صلح رکھو۔ اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔

تو

بہتر سے بہتر قابلیت

کوئی مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی۔ جب تک دوسروں کے ساتھ ملکر کام نہ کر سکے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک کئی اعلےٰ قابلیتیں اس لئے ضائع ہو گئیں۔ کہ ایسی قابلیتوں سے دوسری طبائع فائدہ نہ اٹھا سکتی تھیں۔ وجہ یہ کہ ایسی قابلیتیں رکھنے والوں میں یہ مادہ نہ تھا۔ کہ دوسرے سے ملکر کام کریں۔ پس

مبلغ کے لئے ضروری

ہے۔ کہ اپنے اندر انسانیت پیدا کرے۔ یعنی دوسروں سے ملکر کام کرنے کی اس میں اہلیت ہو۔ اتحاد اور تعاون سے کام کر سکے

دوسری چیز انسان کے لئے

انانیت

ہے۔ اسی کا دوسرا نام توحید ہے۔ انسان میں ایک تو انسانیت رکھی گئی ہے۔ یعنی دوسرے انسانوں سے تعلق پیدا کرنا اور ان کے ساتھ ملکر کام کرنا۔ دوسرے انانیت ہے۔ یعنی یہ سمجھنا۔ کہ میرے اور میرے رب کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں۔ میرا اپنے رب کے ساتھ براہ راست تعلق ہے۔ یہ بھی

بہت ضروری چیز

ہے۔ اگر انسان اپنی عقل وخرد حوصلہ اور ارادہ کو بالکل مار دے اور دوسرے کے ہاتھ میں اپنا سب کچھ دیدے۔ اپنا کوئی ارادہ کوئی خواہش نہ رکھے۔ تو یہ بھی بہت بُرے نتائج پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ کیونکہ

کوئی ایک انسان

دنیا کے تمام نقائص اور خرابیوں کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح دنیا کی ساری خوبیوں کا بھی علم نہیں رکھ سکتا۔ اگر ایک شخص اس کے پیچھے اس طرح چل پڑتا ہے۔ کہ جدھر وہ لے جاتا ہے ادھر جاتا ہے۔ جدھر سے روکتا ہے۔ رک جاتا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوا۔ کہ وہی خرابیاں اسے معلوم ہونگی۔ جو دوسرا اسے بتائیگا یا وہی خوبیاں نظر آئینگی۔ جو اسے دوسرا دکھائیگا۔ خواہ اس میں خدا تعالےٰ نے خوبیوں کے جاننے اور خرابیوں کے معلوم کرنے کی جو قابلیت رکھی ہے۔ اس کا اظہار نہ ہوگا۔ اس وجہ سے انانیت چاہتی ہے۔ کہ

خدا اور بندہ کے درمیان

کوئی واسطہ نہ ہو۔ بلکہ براہ راست خدا سے اس کا تعلق ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انسانیت بھی ہے اس میں

شفقت علیٰ خلق اللہ

پائی جائے۔ اس حالت میں وہ نیچے کی طرف دیکھے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اور بھی انسان پیدا کئے ہیں۔ جن سے مجھے وابستہ کیا ہے ان میں کچھ ایسے ہونگے۔ جو اس سے زیادہ تیز چلنے والے ہونگے۔ ان کے ساتھ چلنے کے لئے اسے اپنی رفتار تیز کرنی پڑے گی۔ اور کچھ ایسے ہونگے۔ جو اسے اپنے سے سست نظر آئینگے۔ انہیں اپنے ساتھ لینے کے لئے قدم کو روکتا ہوگا کیونکہ اگر وہ تیز چلیگا۔ تو تیز چلنے والے اس سے آگے نکل جائینگے۔ اور اگر قدم نہ روکیگا۔ تو سست چلنے والے پیچھے رہ جائینگے اس لئے وہ کچھ قدم تیز کرکے اور کچھ روک کر دوسروں کے ساتھ چلنے کی کوشش کرے۔

پس ایک طرف تو اس میں ایسی انانیت ہو۔ کہ وہ اپنے اور خدا کے درمیان کوئی واسطہ نہ سمجھے۔ اور دوسری طرف ایسی انسانیت ہو۔ کہ اپنے آپ کو سب انسانوں کے ساتھ وابستہ رکھنا ضروری سمجھے۔ جس میں

دونوں صفتیں

ہوں۔ وہی کامیاب ہوسکتا ہے۔ لیکن جس میں ان میں سے کوئی ایک نہ ہو۔ یا دونوں نہ ہوں۔ وہ نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی مصیبت ہوتا ہے۔

اگر اس میں انانیت نہیں۔ تو اس نے اس جوہر کو مٹا دیا جو اللہ تعالےٰ نے اس میں رکھا تھا۔ اور وہ بے کار ہو گیا جس طرح بنجر زمین بے کار ہوتی ہے۔ بلکہ بنجر زمین بھی اس سے اچھی ہوتی ہے۔ اس کے متعلق تو پھر بھی خیال ہوتا ہے۔ کہ اگر ہمارے زمانے میں اس نے کام نہیں دیا۔ تو ہماری نسلوں کے زمانہ میں دے گی۔ مگر ایسا انسان

ہمیشہ کے لئے بے کار

ہو گیا۔ کیونکہ جب وہ مرگیا۔ تو پھر اس کے لئے کام کا بننے کے لئے کوئی موقعہ نہ رہا۔ اسی طرح اگر کوئی

انسانیت

کو کام میں نہ لایا۔ بلکہ اسے ضایع کر دیا۔ تو گویا وہ بیج جو دوسروں سے اشتراک اور اتحاد کے نتیجہ میں حاصل ہوتا تھا۔ اسے ضایع کر دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ

بقاء کے لئے

دو چیزوں کا ملنا ضروری ہوتا ہے۔ دیکھو مرد وعورت ملتے ہیں۔ تو

بچہ پیدا ہوتا ہے۔

لیکن اگر مرد مرد والی قابلیت نہیں رکھتا۔ اور عورت عورت والی قابلیت نہیں رکھتی۔ تو کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا۔ یا اگر ان میں سے ایک اپنی قابلیت مار دے۔ تو بچہ نہیں پیدا ہوگا۔ دونوں میں ذاتی قابلیت ہو۔ اور پھر وہ ملیں۔ تو بچہ پیدا ہوگا۔ اگر مرد نامرد ہو۔ تو اس سے کوئی بچہ نہ پیدا ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت بانجھ ہو۔ تو اس سے بھی بچہ نہیں پیدا ہوگا۔ اور اگر دونوں بچہ پیدا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ لیکن ملتے نہیں۔ تو بھی بچہ نہ پیدا ہوگا۔ اپنی اپنی جگہ ان میں قابلیت ہو۔ اور وہ ملیں۔ تب بچہ پیدا ہوگا۔ اسی طرح اگر

ایک افسر میں

ماتحت سے ملکر کام کرنے کی قابلیت نہیں۔ اور ماتحت میں انانیت نہیں۔ تو ان کے تعاون سے کوئی نتیجہ نہ نکلیگا۔ یا اگر دونوں قابلیت تو رکھتے ہیں۔ لیکن ملتے نہیں۔ تو بھی کوئی نتیجہ نہ نکلیگا۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ دونوں میں انانیت ہو۔ اور دونوں انسانیت میں آکر اکٹھے ہو جائیں۔ تب نتیجہ نکلیگا۔

تمام سلسلوں میں یہی بات چلتی ہے۔ یہ

نیچر اور قانون قدرت

ہے۔ اور ہمارا سلسلہ اس قانون سے علیحدہ نہیں ہوسکتا۔ پس ہر انسان میں انانیت ہونی چاہیئے۔ یعنی اپنے طور پر غور کرے۔ کہ جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ اس میں بہتری کی کونسی صورت ہوسکتی ہے۔ اس کے متعلق وہ اپنی سکیم بنائے۔ اور افسر کے سامنے پیش کر دے۔ افسر اپنے طور پر اس پر غور کرے۔ پھر اسے اپنی رائے سے ملائے۔ اور سموئے۔ یعنی جو باتیں اس سکیم میں مفید ہوں۔ وہ قبول کرے۔ اور جو ایسی ہوں۔ کہ گو اس کے نزدیک اچھی نہ ہوں۔ لیکن ان سے کوئی نقصان نہ پہونچتا ہو۔ تو

کام کرنیوالے کی بشاشت

قائم رکھنے کے لئے ان سے بھی اتفاق ظاہر کرے۔ لیکن جو عام پالیسی کے خلاف ہوں۔ اور جن سے خطرہ ہو۔ کہ نقصان ہوگا ان کا انکار کر دے۔ پھر

ماتحت کا فرض

ہو۔ کہ وہ سمجھے۔ کہ جو اس کی اچھی باتیں تھیں۔ وہ قبول کرلی گئی ہیں۔ اور وہ بھی قبول کرلی گئی ہیں۔ جو گو اچھی نہ تھیں۔ لیکن ان سے کسی نقصان کا احتمال نہ تھا۔ تو وہ باتیں جن میں افسر کے نزدیک نقصان کا احتمال تھا۔ انہیں میں بھی چھوڑ دوں۔ اور بشاشت قلب سے کام کردوں۔

میں سمجھتا ہوں۔ کاموں کے لحاظ سے ایک بات ایسی ہے جس کی طرف ابھی تک

نظارتوں کی توجہ نہیں

اور اس وجہ سے نقصان ہو رہا ہے۔ وہ سکیموں میں اختصار کی پالیسی ہے۔ جب کوئی سکیم پیش ہوتی ہے۔ تو نظارت اس میں بعض ترمیمیں کر کے اپنی طرف سے پیش کر دیتی ہے۔ اور ایک نئی سکیم بنا کر ماتحت کو دے دی جاتی ہے۔ اس پر وہ خیال کرتا ہے۔ یہ نظارت کی سکیم ہے۔ اسے یہ خیال نہیں آتا۔ کہ اس نے جو سکیم پیش کی تھی۔ وہ ہے۔ اس کی بجائے جیسا کہ

گورنمنٹ کا طریق

ہے۔ یہ ہونا چاہیئے۔ کہ جو تجاویز ماتحت محکمہ کی طرف سے پیش ہوں۔ ان میں سے جو درست اور مفید ہوں۔ ان پر عمل کیا جائے اور جن میں تبدیلی کی ضرورت ہو۔ ان میں تبدیلی کر کے بتایا جائے۔ کہ فلاں بنا پر اس

تبدیلی کی ضرورت

ہے۔ اور جو ناقابل قبول ہوں۔ ان کے متعلق لکھا جائے کہ ان وجوہات کی بنا پر انہیں رد کیا جاتا ہے۔ اگر اس طرح ہو۔ تو جو کارکن دیانت دار ہوگا۔ اور ہم سمجھتے ہیں۔ خدا کے فضل سے ہمارے

سارے کارکن

دیانت دار ہیں۔ کیونکہ انہوں نے خدمت دین کے لئے زندگیاں وقف کی ہوئی ہیں۔ اسے تسلی ہوگی۔ کہ اس کی بات مانی گئی۔ اور وہ عمدگی سے کام کرسکیگا۔ اور اگر اسے اختلاف بھی ہوگا۔ تو اس کی بشاشت دور نہ ہوگی۔ اور اگر ایسا ہو۔ تو

ریکارڈ

موجود ہوگا۔ اگر وہ کہیگا۔ کہ مجھ سے تعاون نہ کیا گیا۔ تو اسے بتا سکیں گے۔ کہ دیکھو تم نے مثلاً ۱۵ باتیں پیش کی تھیں۔ ان میں سے ۱۰ افسر نے مان لیں۔ اور پانچ نامنظور کر دیں۔ اگر افسر ہو کر وہ تمہاری دس باتیں مان سکتا ہے۔ تو تمہیں ماتحت ہو کر پانچ میں افسر کی رائے ماننے میں کیا عذر ہو سکتا ہے پس اگر ایسی سکیموں کے متعلق تفصیل سے لکھا جائے۔ اس سے میری مراد یہ نہیں۔ کہ صفحے کے صفحے لکھے جائیں۔ بلکہ تفصیل ایک فقرہ میں بھی ہو سکتی ہے۔ تو کام کرنے والوں میں بشاشت قائم رہ سکتی اور وہ عمدگی سے کام کر سکتے ہیں۔

جہاں تک میں نے غور کیا ہے۔ سوائے ایک واقعہ کے جس کے متعلق ابھی دریافت کرنا ہے۔ حکیم صاحب کو میں نے اس بارے میں

نہایت عمدہ اور صحیح طریق پر

پایا۔ وہ دوسروں سے تعاون بھی کرتے رہے۔ صحیح رپورٹیں بھی بھیجتے رہے۔ مشورے بھی طلب کرتے رہے۔ اور مشوروں پر عمل بھی کرتے رہے۔ انہوں نے محسوس کیا۔ کہ وہ

ایک لڑی میں پروئے ہوئے

ہیں۔ اور اس کے مطابق انہیں کام کرنا ہے۔ انہوں نے کبھی میرے پاس اپنے

ہیڈ کوارٹر کی شکایت

نہیں کی۔ اور ایسے طور پر کام نہیں کیا کہ افسروں سے تعاون میں کمی کی ہو۔ میں نے عام مبلغوں کو دوسروں کا شکوہ کرتے دیکھا ہے۔ جو مبلغ کسی کی جگہ کام کرنے کے لئے جاتا ہے۔ وہ پہلوں پر نکتہ چینی شروع کر دیتا ہے۔ کہ فلاں نے یہ غلطی کی۔ فلاں نے یہ غلطی کی۔ ۹۰ فیصدی ایسے مبلغ ہیں۔ جن کی طرف سے پہلوں پر اعتراض میرے پاس پہنچے۔ ایسی صورت میں میں تو یہی کہوں گا۔ کہ ان میں

تعاون کی قابلیت

نہیں۔ بیشک ایک دوسرے سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اختلاف رائے کے معنی غلطی نہیں ہوتے میں سمجھتا ہوں۔ اور تو اور اگر رسول کریم صلعم کا زمانہ ہوتا۔ اور کسی بات میں مشورہ طلب کیا جاتا۔ تو بیسیوں دفعہ اختلاف ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ ہم نے دیکھا ہے۔ آپ کوئی مشورہ دیتے۔ تو بسا اوقات اس سے بعض کو اختلاف ہوتا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں تھے۔ کہ آپ غلطی کرتے تھے مگر بسا اوقات ہم نے دیکھا۔ کہ آپ اپنی رائے چھوڑ دیتے۔ اور دوسروں کی قبول کر لیتے۔ مجھے خوب یاد ہے۔ کہ

ایک مسئلہ کے متعلق

آپ نے فرمایا۔ مجھے قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اس پر مولوی محمد احسن صاحب نے تو کہا۔ ہاں حضور یہی درست ہے۔ اور یہی قرآن سے ثابت ہے۔ لیکن حضرت خلیفہ اول رض نے فرمایا۔ پہلے فقہاء نے ایسا نہیں لکھا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ جہاں میں لوگوں کو ابتلا میں نہیں ڈالنا چاہتا جس طرح پہلے فقہاء نے لکھا ہے۔ اسی طرح سمجھا جائے۔ گو اب بھی مجھے خیال آتا ہے۔ اگر تحقیقات کریں۔ تو ممکن ہے۔ اس مسئلہ میں بھی پہلے فقہا میں اختلاف نکل آئے۔ تو اختلاف رائے کے یہ معنی نہیں کہ دوسرے کی بات کو غلط قرار دیا جائے۔

اختلاف رائے

طبعی بات ہے۔ اور اسے نقص قرار دینا اور غلطی سمجھنا بہت بڑا نقص ہے۔ مگر میں ۹۰ فیصدی کارکنوں میں یہ نقص دیکھتا ہوں۔ میں جب کسی مبلغ کو باہر بھیجتا ہوں۔ تو اسے یہی نصیحت کرتا ہوں۔ کہ پہلوں سے تمہیں اختلاف رائے ہوگا۔ پہلے مبلغ کی بعض باتیں تمہیں ناپسند ہونگی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ تم اس کی شکایتیں شروع کر دو۔ بلکہ تمہیں کوئی کام اسی طرح کرنا چاہیئے جس طرح پہلا مبلغ کر رہا ہو۔ کیونکہ وہ تجربہ کار تھا۔ اور تم نئے نئے ہوگے۔ اور جس کام کا تجربہ نہ ہو۔ اس میں

غلطی لگ جانا

بڑی بات نہیں۔ ابھی کل میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے ذکر کر رہا تھا۔ کہ پونڈ کی قیمت کم مقرر کرنے کے متعلق جو سوال تھا۔ اس میں مجھے غلطی لگی تھی۔ میرا یہی خیال تھا۔ کہ پونڈ سستا کر دیا جائے۔ تو اہل ہند کو فائدہ رہیگا۔ مگر اب معلوم ہوا۔ کہ اس سے ملک کو سخت نقصان ہوگا۔ اس غلطی کی وجہ یہ تھی۔ کہ میں

مالیات کا ماہر

نہ تھا۔ اور مالیات کے ماہروں سے گفتگو کی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ پونڈ کی قیمت جب کم ہو جائیگی۔ اور اس کی بجائے کم روپے ادا کرنے پڑینگے۔ تو اہل ہند انگلستان سے مال خریدینگے لیکن انگلستان والوں کو چونکہ ہندوستان سے پونڈ کے کم روپے وصول ہونگے۔ اس لئے وہ ہندوستان سے کوئی چیز نہ خریدینگے۔ بلکہ دوسرے ممالک سے خریدینگے۔ تو تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اس لئے نئے مبلغ کو میں یہی کہتا ہوں کہ پہلے جس طرح پہلا مبلغ کام کر رہا تھا اسی طرح تم بھی کرو۔ پھر اگر

تجربہ کے بعد خرابی

معلوم ہو۔ تو یہ نہ کہو۔ کہ پہلے نے غلطی کی۔ بلکہ یوں کہہ سکتے ہو۔ کہ پہلے اس طرح کام ہو رہا تھا۔ میرے نزدیک اسکی بجائے اگر اس طرح ہو تو زیادہ مفید ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس میں

تغیر کرنے کی اجازت

حاصل کر سکتے ہو۔ اسکی کیا ضرورت ہے کہ پہلے کی غلطیاں اور نقائص گنانے اور اس کے خلاف شکایت کرنے لگ جاؤ۔ پہلا شخص جس طرح کام کرتا تھا صحیح سمجھکر ہی کرتا تھا۔ وہ دین کی خدمت کیلئے گیا تھا۔ اسے کیا ضرورت تھی۔ کہ جان بوجھ کر دین کے کام میں خرابی پیدا کرتا۔ اس نے جو کچھ کیا دین کی خاطر کیا۔ اگر اس سے غلطی بھی ہوئی تو بھی اسکے کام پر اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو وہ

بے دینی کا مرتکب

ہوتا ہے۔ رسول کریم صلعم کے زمانہ کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے جب

جنگ احزاب

کے وقت مشورہ لیا گیا۔ تو رسول کریم صلعم کی یہی رائے تھی۔ کہ مدینہ سے باہر نکل کر نہیں لڑنا چاہیئے۔ منافقین نے بھی یہی کہا۔ کہ باہر نہیں جانا چاہیئے۔ مگر مخلص صحابہ کی رائے تھی کہ باہر جانا چاہیئے۔ رسول کریم صلعم نے انکی رائے مان لی۔ اور باہر چلے گئے جس سے نقصان ہوا۔ اور اس سے ظاہر ہو گیا۔ کہ

منافقین کی رائے صحیح تھی

مگر رسول کریم صلعم نے اس موقعہ پر جو کچھ کیا۔ اس پر جنہوں نے اعتراض کیا۔ انہیں منافق قرار دیا گیا۔ اور مجرم ٹھہرایا گیا۔

دراصل اسلام میں اس بات کا

توازن

دکھایا گیا ہے۔ کہ کسی چیز سے زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ یا زیادہ نفع۔ اگر نفع زیادہ ہو۔ تو خواہ اس میں غلطی ہو۔ تو بھی اس کے متعلق اعتراض کرنے کی اجازت نہیں دی۔ مثلاً شریعت نے رکھا ہے۔ کہ رسول کریم صلعم بھی

قضا میں غلطی

کر سکتے ہیں۔ لیکن اس پر اعتراض کرنا گناہ قرار دیا ہے۔ وجہ یہ کہ قضا کی غلطی کا اثر ایک محدود دائرہ کے اندر پڑتا ہے۔ لیکن فیصلہ کرنے والے پر اعتراض کرنے سے ساری قوم کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔

غرض میں نے مبلغوں کو ہمیشہ یہ نصیحت کی ہے۔ اور جب تک اس پر عمل نہ کرینگے۔ کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ کہ

ہر مبلغ کا پہلا فرض

یہ ہے۔ کہ اپنے پیشرو کی اتباع اور طریق عمل پر چلے۔ اس میں اگر غلطی معلوم ہو۔ تو یہ نہ کہے۔ کہ پہلے نے کام خراب کر دیا۔ بلکہ یہ کہے۔ کہ پہلے اس طرح کام ہوتا تھا۔ اب یہ کام اس طرح کیا جائے۔ تو زیادہ مفید ہو سکتا ہے اس طرح کہنے سے کسی کی شکایت بھی نہ ہوگی۔ اور جس طرح اس کے نزدیک کام عمدگی سے ہو سکیگا اس طرح وہ کر بھی سکیگا۔ پھر یہ بات میرے سامنے ہی نہ ہے۔ بلکہ سب کے سامنے یہی ہے۔

بعض مبلغ

ایسے ہیں۔ جو لوگوں میں کہتے پھرتے ہیں۔ کہ بیرونی ممالک میں مشن فضول ہیں کوئی کام نہیں کر رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں جن لوگوں سے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ کیا بیرونی مشنوں کا جاری رکھنا یا بند کرنا انکے ہاتھ میں ہے۔ اگر نہیں تو ایسی باتوں سے سوائے بے چینی اور بد دلی پیدا کرنے کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ میں انہیں بتاتا ہوں۔ نہ سیاسی لحاظ سے ترقی ہو سکتی ہے۔ اور نہ دینی لحاظ سے کبھی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ جب تک

غیر ممالک میں تبلیغ

نہ ہو۔ ہندوستانی اسی لئے تباہ اور ہمیشہ دوسروں کے ماتحت رہے۔ کہ وہ اپنے ملک سے باہر نہ نکلے۔ اور چھوٹی چھوٹی قومیں ان پر حاکم بنیں۔ کیونکہ وہ اپنے ممالک سے باہر نکلیں۔ پس جو قوم تبلیغی اور سیاسی لحاظ سے کامیاب ہونا چاہتی ہے۔ اسکے لئے ضروری ہے۔ کہ باہر جائے۔ اور دوسرے ممالک میں اپنی چھاؤنیاں

الفضل 7.2.30
محمود 13
146

بنائے گروہ کہ جنہیں نہ سیاسیات پر عبور ہے۔ نہ مذہب پر۔ نہ روحانیت میں کمال ہے۔ نہ علم میں۔ وہ کہتے ہیں۔ بیرونی ممالک کی بجائے

سارا زور ہندوستان میں

لگانا چاہیے۔ میں کہتا ہوں۔ ذرا غور تو کرو۔ اگر یہاں موجودہ حالات بالکل بدل جائیں۔ جو روز بروز سرعت سے بدل رہے ہیں۔ تو ہمارے ہاتھ میں کیا رہ جاتا ہے۔ لیکن اگر بیرونی ممالک میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں بھی قائم ہو جائیں۔ تو خواہ ہندوستان میں سارے کے سارے احمدیوں کو مار دیا جائے۔ تو بھی

احمدیت کا جھنڈا

نہیں گر سکتا۔

غرض کسی ایک ملک یا ایک نسل تک تبلیغ محدود رکھنے سے کام نہیں ہو سکتا۔ پھر

تعلیم ساری دنیا کے لئے

ہے۔ اس میں ایسے مواد ہوتے ہیں۔ جو ساری اقوام کے دماغوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں مختلف قوموں کے احساسات ان کے جذبات ان کی قابلیتوں کی مطابقت پیدا کی گئی ہے۔ اور اس کے دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہیں۔ کہ جب تک ساری قومیں نہ ملیں گی۔ اسوقت تک اس تعلیم کی تکمیل نہ ہوگی۔ انگریزی دماغ ایک خاص طرز پر چلتا ہے۔ فرانسیسی دماغ ایک خاص رنگ رکھتا ہے۔ یہی حال دوسری اقوام کا ہے۔ اور جسطرح افراد

جداگانہ حیثیت

رکھتے ہیں۔ اسی طرح اقوام بھی جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ فرانسیسی لوگ بعض باتوں میں ساری دنیا کے لوگوں سے مطابقت رکھیں گے لیکن بعض میں دو فرانسیسی بھی ایک دوسرے سے مختلف ہونگے۔ اور بعض میں ہر فرانسیسی دوسرے فرانسیسی سے اشتراک رکھیگا۔ اسی طرح جرمن بعض باتوں میں ساری دنیا سے مطابقت رکھیں گے لیکن بعض میں ہر جرمن دوسرے جرمن سے جدا ہوگا۔ اور بعض میں تمام جرمن ایک دوسرے سے اشتراک رکھیں گے۔ پس ایک فرانسیسی یا ایک جرمن دماغ جس نقطہ نگاہ سے کسی بات پر غور کرنے کا عادی ہے۔ اگر وہ غور کریگا۔ تو ضرور

ہندوستانی دماغ

کی نسبت اس میں جدت نکالے گا۔

ایک موٹی مثال تصوف میں

دیکھ لو متصوفین کو پہلے لوگ تو رجماً بالغیب کے طور پر اولیاء اللہ سمجھتے تھے۔ لیکن ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ وہ اولیاء اللہ تھے کیونکہ حضرت مسیح موعود نے ہمیں بتایا ہے۔ مگر وہ تصوف جو ایران میں پھیلا۔ اسکا اور رنگ تھا جو مصر میں پھیلا۔ اسکا اور رنگ تھا جو عرب میں پھیلا۔ اسکا اور رنگ تھا۔ اگر مصر کے تصوف کو عرب کے تصوف کے مقابلہ میں رکھا جائے تو ہمیں یہ اختلاف نظر آئیگا۔

مصر کا تصوف

اور لائن پر چلتا ہوگا۔ اور

عرب کا تصوف

اور لائن پر اور

ایران کا تصوف

ان دونوں سے علیحدہ ہو۔ اس پر۔ اسکی وجہ کیا ہے۔ یہی کہ ہر ملک کے لوگوں کے دماغی اثرات الگ الگ تھے۔ پھر حکومتوں کے تعلق کی وجہ سے تصوف میں فرق نظر آئیگا۔ جب حکومت حاصل تھی۔ اسوقت اسکا اور رنگ تھا۔ اور جب حکومت میں تنزل آگیا۔ اسوقت اور رنگ ہو گیا۔

غرض جو مذہب ساری دنیا کیلئے ہے۔ وہ محتاج ہے اس بات کا۔ کہ اس کی وہ باتیں جو بندوں سے تعلق رکھتی ہیں آئیں انہیں آزاد چھوڑا جائے۔ اور

ہر قوم کے دماغی اثرات

ان میں اپنے اپنے رنگ میں ظاہر ہوں۔ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ ان تبد لکم تسؤکم اگر یہ باتیں لوہاری یا ترکھانی پیشہ کے متعلق ہوتیں تو ان کا ظاہر ہونا کیوں برا لگتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ باتیں

مذہب سے تعلق

ہیں۔ مگر ایک محدود دائرہ کے اندر رکھ دیتی ہیں لیکن خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہر قوم اپنے رنگ میں ترقی کرے اس لئے خدا تعالیٰ نے ہر قوم کے لئے میدان کھلا چھوڑ دیا۔

ہسپانیہ میں

مسلمانوں نے جو ترقی کی۔ اس میں صاف طور پر ہسپانوی دماغ کا اثر معلوم ہوتا ہے

مصر میں

مسلمانوں نے جو ترقی کی۔ اس میں مصری دماغ کا اثر نظر آتا ہے۔

حجاز میں

مسلمانوں نے جو ترقی کی اسمیں حجازی دماغ کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

عراق میں

مسلمانوں نے جو ترقی کی اسمیں عراقی دماغ کا اثر ظاہر ہے جو لوگ فقہ کے ماہر ہیں انہیں

امام مالک رح

میں خالص عربی رنگ دکھائی دیتا ہے۔ کہ سیدھی سادی نیچر کی بات لے لی۔

امام شافعی رح

چونکہ اپنے ملک سے باہر نکلے۔ اس لئے ان کا پہلا رنگ بدل گیا۔ اور مصری دماغ نے ان پر اثر کیا۔ ادھر عراق اور ایران کا اثر

امام ابو حنیفہ رح

پر ہوا۔ اور

امام حنبل رح

پر شافعیت اور مالکیت دونوں کا اثر پڑا۔ اس لئے ان میں دونوں رنگ نظر آتے ہیں۔ تو جن باتوں میں اجازت ہے۔ کہ دماغ اپنا رنگ اختیار کرے۔ ان میں

ہر ملک کا دماغ

اپنے لئے علیحدہ رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

غرض ساری دنیا سے جو مذہب تعلق رکھتا ہو۔ ساری قوموں کا اسمیں شامل ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ مختلف رنگ کے دماغوں کے ملنے سے ایسی صورت اختیار کر سکے۔ کہ ساری قومیں اس پر چل سکیں مگر بعض لوگ کہتے ہیں دوسرے ممالک اور دوسری قوموں میں تبلیغ کی کیا ضرورت۔ ایسے لوگ گویا

کوئیں کے مینڈک

کی سی رائے رکھتے ہیں۔ اور بہت لوگ چونکہ کوئیں کے مینڈک ہی ہوتے ہیں۔ انہیں یہ بات پسند آجاتی ہے۔ وہ

سمندر کے مینڈک

نہیں ہوتے۔ اس لئے خیال کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت دانا ہیں۔ حالانکہ ان کو نہ تو تجربہ ہوتا ہے۔ نہ انہیں روحانیت ہوتی ہے۔ نہ اخلاص ہوتا ہے۔ ان میں سے جو جتنا پھدک سکتا ہے۔ پھدک لیتا ہے۔ اور سمجھتا ہے اس سے زیادہ پھدکنا مضر ہے۔ اس میں

بعض مبلغین اور دوسرے لوگوں کا حصہ

ہے۔ جو کہتے ہیں۔ دوسرے ممالک میں تبلیغ کرنا فضول کام ہے۔ اسلئے مجھے اس بات پر زیادہ زور دینے کی ضرورت محسوس ہوئی ایسے لوگ خیال نہیں کر سکتے۔ کہ مجھے ایسی باتوں سے کسقدر بے چینی اور تکلیف ہوتی ہے۔ میں ساری عمر نہیں بھول سکتا۔ اور میرے سامنے

آتشیں حروف میں

لکھا ہوا یہ فقرہ موجود ہے جو کسی نے مجھے سنایا۔ کہ آپکو امان اللہ کا انجام یاد نہیں۔ اس قسم کی باتوں کے ذمہ وار وہی لوگ ہیں۔ جو دوسروں میں بددلی اور مایوسی پیدا کرتے ہیں۔ یہ فقرہ کہنے والے یاد رکھیں۔ امان اللہ کا جو انجام ہوا۔ وہ میرا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کا ہوگا۔ وہ

اپنی فکر کریں

اس فقرہ کے کہنے سے انہوں نے اپنا انجام بگاڑ لیا۔ گو کہنے والے نے لکھدیا ہے۔ کہ اسے خواب آگئی ہے جیسے بتایا گیا ہے۔ خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ کہ خدا کی تائید خلیفۃ المسیح ثانی کے ساتھ ہے۔ میں نے بھی یہی کہا تھا کہ خدا کی تائید میرے ساتھ ہی۔ اب اس نے توبہ کا خط لکھدیا ہے۔ مگر جو لوگ ایسی باتیں نکلوانے کے محرک ہیں۔ وہ ذمہ داری کے نیچے ہیں۔ اور اسکی توبہ کے متعلق بھی خدا ہی جانتا ہے کہ قابل قبول ہے یا نہیں۔ رسول کریم صلعم کے سامنے انصار میں سے ایک نے کہا تھا۔ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے۔ اور مال و دولت مکہ والے لے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس نے توبہ بھی کی مگر آج تک انصار اس کا خمیازہ بھگتتے چلے آتے ہیں۔

غرض مبلغ کے لئے پہلی بات تو یہ ضروری ہے۔ کہ اس میں

تعاون کی روح

ہو۔ دوسرے یہ کہ کسی کی شکایت پر آمادہ نہ ہو۔ پہلے نے جو کچھ کیا اپنی دیانت کے لحاظ سے صحیح اور درست سمجھکر کیا۔ اگر اسمیں غلطی یا نقص ہو۔ تو یوں کہا جا سکتا ہے۔ اگر فلاں بات کی اصلاح ہو جائے۔ تو اچھا ہے یہ نہیں کہنا چاہیے۔ کہ فلاں نے فلاں کام خراب کر دیا۔ اب میں صحیح طور پر کر رہا ہوں۔ جو لوگ اس قسم کی

دوسروں کی شکایتیں

کرتے ہیں۔ اگر خود ان کے متعلق کوئی یہی بات کہے، تو وہ کہینگے۔ کیا دین کی خدمت ہم نے اسی لئے کی تھی۔ کہ دین کے کام کو خراب کرکے اپنی آخرت تباہ کر لیں میں یہی کہتا ہوں۔ یہی بات وہ دوسروں کے لئے کیوں نہیں کہتے۔ اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ اور جب کسی طریق میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو تو ایسے طرز پر اس کا ذکر کیا جائے۔ کہ کسی کی شکایت نہ ہو۔ کسی قسم کا

7.2.30 صفحہ 11

تفرقہ اور شقاق

نہ پیدا کیا جائے۔
اس کے بعد میں

مدرسہ احمدیہ کے طلباء

کو ایک امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ پرنسپل ہوتے ہوئے بعض طلباء کی طرف سے شکایت آئی تھی۔ کہ جامعہ کی پڑھائی ٹھیک نہیں رہی۔ میرے نزدیک ان کی شکایت بجا تھی میں نے تحقیقات کی۔ تو میں اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ ان کی پڑھائی ٹھیک نہیں ہوئی۔ مگر ایک بات جس پر ان میں سے بعض نے بہت زور دیا۔ وہ یہ ہے کہ ان کیلئے

مولوی فاضل وغیرہ کے امتحان

دینے کا موقعہ رکھ دیا جائے۔ اس کے متعلق میں صفائی سے کہدینا چاہتا ہوں کہ جہاں میں

ہر جائز شکایت

کو دور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اور قطعاً کسی کی پرواہ نہ کروں گا۔ نہ اساتذہ کی نہ پرنسپل کی۔ نہ نظارت کی۔ جو جائز شکایت ہوگی۔ خواہ طلباء کی ہو۔ یا کسی اور کی اسے دور کرنے کیلئے تیار ہوں۔ وہاں ایک بات اچھی طرح سمجھا دینا چاہتا ہوں۔ جس میں قطعاً کسی قسم کی

تبدیلی نہیں ہو سکتی

کہ مدرسہ احمدیہ کی غرض مبلغ پیدا کرنا ہے۔ اسلئے ہمارا فرض ہے۔ کہ اسکے تعلیمی کورس ایسے رنگ میں ڈھالیں۔ کہ یہ غرض پوری ہو سکے۔ اگر کوئی خیال رکھتا ہے کہ اسکے کورس مولوی یا مولوی عالم یا مولوی فاضل کے امتحانات کے لحاظ سے رکھے جائیں۔ تو یہ درست نہیں ہے۔ ان امتحانوں کا اگر ہم لحاظ رکھتے ہیں۔ تو وہ ثانوی بات ہے۔ کہ جن لوگوں کو ہم کام پر نہ لگا سکیں۔ انہیں باہر ملازمت مل جائے۔ اور دوسروں کے لئے ان امتحانات کی یہ غرض ہے۔ کہ وہ انگریزی کی تعلیم حاصل کر سکیں۔ اور بیرونی ممالک میں بطور مبلغ بھیجے جا سکیں۔ اگر یہ بات مدنظر نہ ہوتی۔ تو ان امتحانوں کو ہم مدرسہ احمدیہ کے طلباء کے لئے بالکل اڑا دیتے۔ ہماری

اصل سکیم

یہ ہے۔ کہ سلسلہ کے ہر کام پر جامعہ احمدیہ کے فارغ التحصیل لوگوں کو لگایا جائے کلرکی کا کام بھی انہی کے سپرد ہو۔ مدرسہ ہائی کی مدرسی بھی وہی کریں۔ دیگر کاموں پر بھی انہی کو لگایا جائے۔ تاکہ ہمارے سارے کاموں میں ایک ہی قسم کی روح کام کر رہی ہو۔

عیسائیوں

نے اس طریق سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ انکے جتنے کالج ہیں۔ وہ پادریوں کے ہاتھ میں رہتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے۔ کہ باوجود دہریت کا شکار ہو جانے کے عیسائیوں میں خشیت پائی جاتی ہے۔ ولایت میں میں نے دیکھا۔ ایک دہریہ کو مصباح الدین صاحب لائے تھے۔ وہ پکا دہریہ تھا۔ لیکن باوجود اس کے اس میں خشیت تھی۔ مگر ہندوستان میں ہم دیکھتے ہیں۔ لوگ باوجود

مذہب کے پابند

کہلانے کے دہریت کی رو میں بہ رہے ہیں۔ عیسائیوں کی اس حالت کے متعلق یہی معلوم ہوا۔ کہ ان لوگوں کی ساری تعلیم مذہبی آدمیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر کوئی مذہب سے باہر جاتا ہے۔ تو بھی اس کی تربیت ایسے رنگ میں ہو چکی ہوتی ہے کہ

مذہب کا احترام

اس کے دل میں قائم رہتا ہے۔ تو ہمارے مدنظر یہی سکیم ہے۔ کہ جامعہ کے طلباء تعلیم حاصل کر کے جوں جوں ضرورت پیدا ہوتی جائے۔ کام پر لگائے جائیں۔ تاکہ ہمارا ہر ایک کارکن اس قابل ہو۔ کہ جب چاہیں۔ کسی کو تبلیغ کے لئے بھیج دیں۔ اس طرح ہم جامعہ میں بھی زیادہ طلباء رکھ سکیں گے۔ کیونکہ ہم ان کے گزارہ کا انتظام کر سکیں گے۔ لیکن جب تک ایسے لوگ تیار نہ ہوں۔ اس وقت تک دوسرے لوگ لینے پڑتے ہیں اور لینے پڑیں گے۔ پس یہ سکیم میرے ذہن میں ہے۔ لیکن یہ نہیں۔ کہ ہم مولوی فاضل بنائیں۔ اب بھی جو

موجودہ کورس میں جو نقائص

ہیں۔ وہ مولوی فاضل کا امتحان مدنظر رکھنے کی وجہ سے ہی ہیں۔ گو علماء کو اس سے اختلاف ہو۔ لیکن میری رائے ہے۔ کہ پرانا فلسفہ بلکہ نیا فلسفہ بھی جس رنگ میں پڑھایا جاتا ہے۔ وہ فضول ہے۔ ہم ان سے بہتر کتابیں تجویز کر سکتے ہیں۔ بہرحال جو موجودہ کورس ہے۔ اس میں ہم نے اپنے خیال کی قربانی کر کے مولوی فاضل کی جس قدر کتابیں رکھی ہیں۔ ان سے زیادہ نہیں کر سکتے۔ وہ طلباء جو

مولوی فاضل بننے کی خواہش

سے داخل ہوئے ہوں۔ میں انہیں مشورہ دوں گا۔ کہ وہ اپنا کوئی اور انتظام کر لیں۔ ہم اس بارے میں ان سے تعاون نہیں کر سکتے۔ ان کے مبلغ بنانے اور قابل سے قابل مبلغ بنانے میں جو کچھ ہم سے ہو سکتا ہے کریں گے۔ اور جوں جوں قدرت ہوگی۔ زیادہ بہتر اور اعلےٰ انتظام کرتے جائیں گے۔ لیکن مولوی فاضل بنانے کے لئے ہم اپنا

اصل مقصد

قربان نہیں کر سکتے۔ میرے نزدیک جامعہ کا جو موجودہ کورس ہے۔ اگر اساتذہ توجہ کریں۔ تو بہت اعلےٰ ہے۔ اس کے مقابلہ میں مولوی۔ مولوی عالم۔ اور مولوی فاضل کے کورس میں بہت سی کتابیں فضول ہیں۔ میں مولوی کا کورس پڑھتا رہا ہوں۔ میری بیوی اور بچی پڑھتی تھیں۔ میں نے دیکھا کئی کتابیں ایسی ہیں۔ جو کوئی مفید نتیجہ نہیں پیدا کرتیں۔

عصم

دُعاء

کرتے ہیں۔ کہ جن بچوں کو ان کے والدین نے احمدیہ سکول یا جامعہ احمدیہ میں دین کا خادم بننے کے لئے داخل کیا ہے ان لڑکوں کے دلوں میں بھی اس بات کا شوق پیدا ہو۔ کہ دین کی خدمت میں اپنے آپ کو لگا سکیں۔ اور ان کا یہ شوق اسلام کے لئے بابرکت ہو۔

ضروری اطلاع

سیلون ممالک محروسہ برطانیہ کے باقی تمام ممالک میں جو خطوط بھیجے جائیں ان پر تین آنہ کا ٹکٹ لگانا چاہیے۔ ایران کے احمدی احباب نے شکایت کی ہے کہ ۲ کے ٹکٹ لگے ہوئے خطوط کے بیرنگ ہو جانے کی وجہ سے کافی رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔

اشتہار زیر دفعہ ۵ رول مجموعہ ضابطہ دیوانی

بعدالت راجہ علی محمد خانصاحب اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول مظفرگڑھ

دعوے مال ۱۶ سال سنہ ۱۹۳۰ء

برخوردار خان ولد احمد یار خان قوم بغانی ۔ سکنہ سوکڑ تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازیخان

بنام

محمد اسلم خان ولد امام بخش قوم بغانی سکنہ سوکڑ تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازیخان مفقود الخبر

دعوی اثبات حق وخیلکاری

بنام

مقدمہ مندرجہ عنوان بالا میں مسمی محمد اسلم خان مدعاعلیہ مذکور تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتا ہے ۔ اور روپوش ہے ۔ اس لئے اشتہار ہذا بنام محمد اسلم خان مذکور جاری کیا جاتا ہے ۔ کہ اگر محمد اسلم خان مذکور تاریخ ۱۸ فروری سنہ ۱۹۳۱ء کو مقام مظفرگڑھ حاضر عدالت ہذا میں نہیں ہوگا ۔ تو اسکی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں آویگی ۔ آج ۱۰ ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۱ء بدستخط میرے اور مہر عدالت کے جاری ہوا ۔ (دستخط)

مکرمی! السلام علیکم

تقاضائے وقت اور حالات حاضرہ نے آپ پر بخوبی روشن کردیا ہوگا ۔ کہ معاونت اور رواداری ۔ قومی باہمی کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کرسکتی ۔ اس لئے جب تک ان اصولوں کو رواج دیکر سلسلہ میں عام نہ کیا جائے تب تک ترقی ملتوی رہیگی ۔ اس لئے آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرانی ضروری معلوم ہوتی ہے ۔ کہ رشتہ اتحاد کی خاطر اس میں کواپریشن کرکے قومی بنیاد کو مستحکم کرنے کیلئے قدم اٹھائیں اور اگر آپکی طاقت اور بس کی بات ہو ۔ تو مندرجہ ذیل اشیاء کی پرائس لسٹ میں سے کسی چیز کی فرمائش بھیجیں ۔ اگر ان اشیاء سے تعلق نہ رکھتے ہوں ۔ تو اپنے حلقہ اثر میں سفارش کریں ۔ اور ان دوستوں کے نام ارسال کریں ۔ جو آپکے گردوپیش ان چیزوں کی تجارت کرتے ہوں اور آرڈر دینے کے مجاز ہوں ۔ مثلاً ہیڈ ماسٹر سکول اور ہیڈ کلرک پلٹن ۔ اور فوجی افسر وغیرہ سامان از قسم سپورٹس ۔ جو سکولوں اور پلٹنوں میں خرچ ہوتا ہے ۔ اور سامان بہترین ۔ کفایت ۔ عمدہ تسلی بخش اور قیمت مناسب ارسال ہوگا ۔ پرائس لسٹ منگائیگا ۔

نظام اینڈ کو شہر سیالکوٹ

ملکی صنعت کا بےنظیر نمونہ

مشین سیویاں نکل پلیٹڈ نو ایجاد

پیچکی ۔ ہینڈل ۔ دہانہ

دنیا بھر میں بہترین مشین سیویاں جس کا ہر پرزہ ہاتھ سے گھڑکر تیار کیا گیا ہے ۔ مروجہ مشینوں کے نقائص سے مبرا ۔ نکل شدہ ۔ کم وزن ۔ کم قیمت ۔ بڑا سائز ۔ خوبصورتی اور پائداری میں یکتا ۔ بناوٹ نہایت سادہ ۔ چلنے میں بیحد ہلکی ۔ اور ٹیک سیدہ دھکیلنے کا کارآمد پرزہ بھی لگایا گیا ہے ۔ ہر مشین کے ہمراہ باریک و موٹی دو چھلنی ۔ منٹوں میں سیر دو سیر والی سیویاں تازہ بتازہ تیار کرکے تناول فرمایئے

علاوہ ازیں ... مفت:

قیمت مشین کلاں قطر دو انچ سات روپے آٹھ آنے ۸/۷ مشین خورد قطر ڈیڑھ انچ صرف پانچ روپے ۸/۵ علاوہ محصولڈاک

اصلی و اعلیٰ مال منگانے کا قدیمی پتہ

ایم ۔ اے ۔ رشید اینڈ سنز موجد مشین سیویاں بٹالہ (پنجاب)

ضرورت مند احباب کیلئے چند ذیل رشتے مطلوب ہیں

۱ ۔ ایک مخلص احمدی عمر ۲۷/۲۸ سال قوم مغل آمدنی ماہوار ۷۰ ۔ ۸۰ روپے پیشہ دستکاری ایک مکان ملکیتی واقعہ شہر سیالکوٹ کے لئے دیندار احمدی لڑکی کی ضرورت ہے ۔ قوم کی پابندی لازمی نہیں ۔ مگر ترجیح ہوگی ۔

۲ ۔ ایک مخلص احمدی عمر ۲۵ سال قوم ماچھی پیشہ ملازمت تنخواہ ۵۰ روپے ماہوار ۔ ایک مکان ملکیتی خود واقعہ شہر سیالکوٹ ہے ۔ قوم کی کوئی پابندی نہیں ۔ احمدی لڑکی کی ضرورت ہے ۔

۳ ۔ دو دیندار خواندہ احمدی لڑکیوں کیلئے جو آرائیں خاندان سے ہیں ۔ خواندہ لڑکوں کی ضرورت ہے ۔ لڑکے اچھے خاندان کے خواندہ ہوں ۔ قوم آرائیں یا زمیندار سے ہوں ۔

۴ ۔ دو زمیندار خواندہ لڑکیوں کے لئے اچھے گھرانے کے خواندہ لڑکے مطلوب ہیں ۔

ضرورت مند احباب مفصل حالات کے لئے معرفت چوہدری محمد فضل الٰہی صاحب احمدی سکرٹری ناظر امور عامہ انجمن احمدیہ شہر سیالکوٹ خط وکتابت کریں ۔

۳۳۳

جناب کبوری نوویدیہ بھوشن پنڈت ٹھاکر دت جی شرما ویدوید بھاسکر موجد امرت دھارا

تیار کردہ

ایک انوکھا میڈیسن بکس

یعنی

حکیم

دنیا میں ایسا میڈیسن بکس نہ ہوگا ۔ یہ بکس جیب میں آسکتا ہے ۔ گھر میں رکھا جاسکتا ہے ۔ اس میں صرف ۳ ادویات ہیں ۔ جن کی موجودگی میں کسی اور دوائی کی ضرورت نہیں ۔ (اول) امرت دھارا جو لاکھوں مرد اور عورت اور بچے ہیں کہ تقریباً کل امراض کا علاج ہے بااندرونی و بیرونی استعمال ہوسکتی ہے ۔ اسکی مدد کیواسطے دو اور دوائیاں رکھی ہیں ۔ ایک امرت گولی جو دست آور ہیں اور ۴۰ امراض کو برابر مفید ہیں تیسری گندھا رس جو کہ قابض ہے اور ہر قسم دست سنگرہنی ۔ پیچش وغیرہ کو اکسیر ہے ۔ قبض یا دست کی جیسے ضرورت ہو ۔ امرت دھارا کی مدد کیواسطے ان میں سے ایک کو رکھ کر کل کا قلع قمع ہوجاتا ہے

قیمت تینوں کی ۱۲ ہے ۔ مگر اس کو عام کرنیکواسطے للعہ

خط وکتابت و تار کا پتہ ۔ منیجر امرت دھارا اوشدھالیہ ۔ امرت دھارا ... لاہور

المشتہر

ہندوستان کی خبریں!

لاہور ۔ ۳۱ر جنوری ۔ اسلامیہ کالج لاہور میں پکرک ایسڈ کی چوری ہوگئی ۔ جو بم بنانے کے لئے استعمال ہوتا ہے تفتیش سے معلوم ہوا ہے ۔ کہ چور سائنس لیبارٹری کی کھڑکی کا شیشہ توڑ کر اندر داخل ہوا ۔ الماری کا قفل توڑا ۔ اور پکرک ایسڈ چرا کر لے گیا

مدراس ۔ ۳۰ر جنوری ۔ کوچین کی سینئر مہارانی صاحبہ کا انتقال ہوگیا ۔ آپ کی عمر تقریباً اسی سال تھی ۔ دربار کوچین نے ایک سال تک ماتم منانے کا حکم دیا ۔

کلکتہ ۔ ۳۱ر جنوری ۔ کلکتہ گزٹ کی غیر معمولی تازہ اشاعت میں "ڈیلنشر ڈاک" کتاب کے چارلس ایڈیشن بحق ملک معظم ضبط قرار دیئے ہیں ۔ اس کے مصنف مسٹر مناسنجن نیوگی ہیں ۔

لاہور ۔ ۳۱ر جنوری ۔ مقدمہ سازش لاہور میں شہادت کے مختصر کر دیئے جانے کے متعلق وکیل استغاثہ نے جو درخواست ہائیکورٹ میں دی تھی ۔ اسے چیف جسٹس نے مسترد کر دیا ہے ۔

نئی دہلی ۔ ۳۰ر جنوری ۔ اقلیتوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لئے ایک کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز ہو رہی ہے ۔ یورپینوں ، اینگلو انڈینوں ، ہندوستانی عیسائیوں ، پارسیوں یہودیوں ، جینیوں ، اچھوتوں اور مسلمانوں کے رہنماؤں کو دعوت شرکت دی جائے گی ۔

نئی دہلی ۔ ۲۹ر جنوری ۔ مسٹر غزنوی اور مسٹر اچاریہ قانون ساردا کی ترمیم کے لئے مجلس وضع آئین میں ۱۵ر فروری کو مسودہ پیش کریں گے ۔

کراچی ۔ ۳۰ر جنوری ۔ ایران میں طہران اور بوشہر کے درمیان فضائی ڈاک کا سلسلہ قائم ہوگیا ہے ۔

ڈھاکہ ۔ ۳۱ر جنوری ۔ فرقہ وار فساد ابھی تک زوروں پر ہے ۔ قتل اور حملہ کی وارداتیں جاری ہیں ۔

لاہور ۔ ۳۱ر جنوری ۔ ریلوے ٹریفک اکونٹنٹس آفس کے کلرکوں نے اتفاق کر کے دفتر کا کام چھوڑ دیا ۔ اور تنخواہوں میں بیس فیصدی اضافہ اور معقول سفر خرچ کا مطالبہ کیا ۔ نیز انہوں نے فیصلہ کیا ۔ کہ باوجود ہڑتال کرنے کے وہ اپنی نشستیں نہیں چھوڑینگے ۔ تاکہ دوسرے آدمی ان کی جگہ ملازم نہ رکھے جاسکیں ۔

میرٹھ ۔ ۳۱ر جنوری ۔ مقدمہ سازش میرٹھ کی عدالت سشن میں سماعت شروع ہوگئی ۔ ملزموں نے مطالبہ کیا ۔ کہ مقدمہ کی بذریعہ جیوری سماعت کرانے کے لئے گورنر جنرل کو درخواست دینے کے لئے مقدمہ پندرہ دن کے لئے ملتوی کر دیا جائے ۔

عدالت نے یہ درخواست نامنظور کر دی ۔ عدالت کی طرف سے پانچ اسیسر مقرر کئے گئے ہیں ۔

مدراس ۔ ۳۱ر جنوری ۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے مسٹر ایس سرینواس آئینگر سے درخواست کی تھی ۔ کہ مقدمہ سازش میرٹھ کی عدالت سشن میں پیروی کریں ۔ لیکن آپ نے خرابی صحت کی وجہ سے انکار کر دیا ہے ۔

کلکتہ ۔ ۳۱ر جنوری ۔ بنگال کونسل کے ضمنی انتخابات میں ممبران بلا مقابلہ منتخب ہو رہے ہیں ۔ کمار وبیندر لال کے محلات کا ملازم حسین ان کی جگہ کونسل کا ممبر ہوگیا ہے ۔

سکندر آباد ۔ ۳۱ر جنوری ۔ عثمانیہ یونیورسٹی نے ۴۶ اشخاص کو بی ۔ اے ۔ ۳۰ کو ایم ۔ اے ۔ اور ۱۶ کو وکالت کی ڈگریاں عطا کیں ۔ نواب سر نظامت جنگ بہادر نے اپنا ایڈریس پڑھا ۔ اور یونیورسٹی تعلیم پر زور دیا ۔

مدراس ۔ ۳۰ر جنوری ۔ مدراس کونسل کے اجلاس میں مسٹر متھو لکشمی ریڈی ڈپٹی پریزیڈنٹ کونسل نے پریزیڈنسی میں ہندو عورتوں کو مندروں کے لئے وقف کرنیکی مذموم رسم کو قانوناً ناجائز قرار دینے کے لئے ایک بل پیش کر دیا ہے ۔

الہ آباد ۔ ۳۰ر جنوری ۔ ایک عورت نے اپنی چار سال کی لڑکی کو صرف اس لئے کنوئیں میں پھینک کر ہلاک کر دیا تاکہ وہ باسانی بھیک مانگ سکے ۔ عدالت سشن نے اسے بعبور دریائے شور کی سزا دی ۔ اور عدالت عالیہ نے بھی اس کا اپیل نامنظور کر دیا ۔

ڈھاکہ کا تازہ تار مظہر ہے ۔ کہ یکم فروری کو ۲۵۰ اشخاص بلوہ کے الزام میں گرفتار کئے گئے ہیں ۔ مزید گرفتاریوں کی توقع ہے

لاہور ۔ یکم فروری ۔ لالہ خوشحال چند ایڈیٹر ملاپ کو ۲۶ر دسمبر کے پرچہ میں ایک مضمون "پنجاب کے خاموش سپاہی" درج کرنے کی وجہ سے زیر دفعہ ۱۲۴ (الف) گرفتار کر لیا گیا ۔ ضمانت کی درخواست بھی نامنظور ہوئی ۔

مسلمانوں اور سکھوں کے ایک عام اجتماع میں ظفروال کے متعلق سکھوں اور مسلمانوں میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ میاں خیر الدین صاحب امام مسجد اذان نہ دے ۔ اور جو چاہے دے ۔ اور فریقین اپنے مقدمات عدالت سے واپس لے لیں ۔

نئی دہلی ۔ یکم فروری ۔ میاں عبدالحی صاحب کا مسودہ قانون وراثت اسمبلی کی قرعہ اندازی میں نکل آیا ہے ۔ اور فیصلہ ہوگیا ہے ۔ کہ یہ مسودہ ۱۳ر فروری کو اسمبلی میں پیش ہو ۔

افواہ ہے ۔ کہ حکومت پنجاب اخبارات کے موجودہ رویہ کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہی ہے ۔ اور کوشش کر رہی ہے ۔ کہ جلد اخبارات پر سنسر بٹھا دیا جائے ۔

ڈھاکہ ۔ یکم فروری ۔ اسلام پور میں ایک ہندو اور ایک

ممالک غیر کی خبریں!

مرکزی نیوز ایجنسی کا ایک پیغام مظہر ہے ۔ کہ ٹیونس میں وبائے طاعون پھوٹ پڑی ہے ۔

لنڈن ۔ ۳۰ر جنوری ۔ لیڈی ریڈنگ صاحبہ لنڈن میں فوت ہوگئیں ۔

معلوم ہوا ہے ۔ کہ سلطان ابن سعود کی سالگرہ تاجپوشی کے سلسلہ میں ایک شاہی فرمان جاری ہوا ہے جس کی رو سے تھوڑی میعاد والے قیدیوں کو عفو عام دے دیا گیا ہے ۔ اور لمبی سزا والے قیدیوں کی ایک تہائی قید معاف کر دی گئی ہے ۔

بغداد ۔ ۳۰ر جنوری ۔ قومی فخر و غرور سلطان ابن سعود اور شاہ فیصل کو عراق و نجد کی کانفرنس کے انعقاد کے لئے مقام کی راہ میں مزاحمت پیدا کر رہا ہے ۔ تازہ ترین تجویز یہ ہے ۔ کہ کانفرنس خلیج فارس کے ایک برطانی جنگی جہاز میں منعقد کر لی جائے ۔

ماسکو سے موصول شدہ اطلاع کی بنا پر معلوم ہوا ہے کہ جنوری ۱۹۳۰ء سے روس کے طول و عرض میں روسی حروف ابجد کی بجائے لاطینی حروف استعمال کئے جائینگے ۔

برلن ۔ ۳۰ر جنوری ۔ ایک مقدمہ کے دوران میں ایک وکیل نے سوویٹ گورنمنٹ کے خلاف یہ الزامات لگائے ہیں ۔ کہ اس نے سیاسی اغراض کے لئے انگریزی ۔ امریکن اور جینی نوٹ تیار کئے ہیں ۔ جن کی قیمت پانسو ملین پونڈ ہوتی ہے ۔

مسلمان کے درمیان فساد ہوگیا ۔ بابو بازار میں جو دکانیں دوپہر کو کھل گئی تھیں ۔ وہ شام کو بند ہوگئیں ۔ دہشت اور خطرہ بہت بڑھ گیا ہے ۔ اینٹیں پھینکنے کی وارداتیں رونما ہو رہی ہیں ۔ اس قسم کے احکام جاری کئے گئے ہیں ۔ کہ ۸ بجے کے بعد کوئی شخص باہر نہ نکلے ۔

لاہور ۔ ۲ر فروری ۔ لاہور چڑیا گھر میں شیروں اور چیتوں کے پنجرے ایک دوسرے سے ملحق ہیں ۔ ایک ملازم کی غفلت سے درمیانی دروازہ کھلا رہ گیا ۔ اور چیتوں کا جوڑا شیروں کے جوڑے پر حملہ آور ہوگیا چیتے تازہ گرفتار تھے ۔ انہوں نے شیر اور شیرنی کو نیچے گرا لیا ۔ اور آناً فاناً ان کو ہلاک کر دیا ۔

نیو دہلی ۔ ۲ر فروری ۔ ایم کے آچاریہ نے ایک تحریک پیش کرنے کی اطلاع دی ہے ۔ جس میں اسمبلی کی گیدریوں کو غیر معلوم وقت تک بند کرنے کے خلاف احتجاج کیا گیا ہے ۔

پٹیالہ ۔ یکم فروری ۔ سرکاری طور پر بیان کیا جاتا ہے ۔ کہ سومان ریاست پٹیالہ میں ایک سو بارہ سکھوں کے گرفتار ہونے کی خبر [illegible]

(عبدالرحمن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپوا کر الفضل کے لئے دفتر سے شائع کیا)